تعلیم الایمان

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ. (الزمر:٦٧)

اوران لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔

سیرت کے واقعات میں

صفاتِ الٰہی

پرغوروفکر کا نایاب طریقہ

مؤلف

عبداللہ صدیقی

(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی

مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری

مفتی محمد شعیب مظاہری

ناشر

عظیم بک ڈپو دیوبند، یوپی، انڈیا۔

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کے چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ سیرت کے واقعات میں صفاتِ الٰہی پر غور وفکر کا نایاب طریقہ

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی:۔ مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری 9849085328

(مفسر قرآن ومصنف: ''آسان ترجمہ وتفسیر قرآن'')

مفتی محمد شعیب مظاہری 9640213661

(خطیب مسجد وزیر النساء، احمد نگر)

سنہ طباعت:۔ ۲۰۲۲ء مطابق ۱۴۴۳ھ

تعداد اشاعت:۔ 300

کمپیوٹر کتابت:۔ محمد کلیم الدین سلمان قاسمی۔9963770669

ناشر:۔ **عظیم بکڈپو**، دیوبند، یوپی۔

اس کتاب کے علاوہ دوسرے اسماءِ الٰہی میں غور وفکر کے لئے ہماری کتاب تعلیم الایمان کے تمام حصے پڑھئے اور ایمان بالکتب، ایمان بالرسالۃ، ایمان بالآخرۃ، ایمان بالقدر (تقدیر) پر شعوری اور عقلی اعتبار سے ایمان پیدا کرنے کیلئے ''ایمانِ مفصل کو سمجھانے کا طریقہ'' پڑھئے، اس کے علاوہ اولاد کو مسلمان بنانے اور لڑکیوں کو شادی سے پہلے باشعور بنانے والی دونوں کتابیں ضرور پڑھئے اور اپنے خاندان میں تحفہ دے کر دعوتِ دین کا حق ادا کیجئے۔
عظیم بکڈپو دیوبند یوپی سے نصف قیمت پر کتابیں حاصل کرسکتے ہیں۔

مدارسِ اسلامیہ کو ان کی خواہش پر ایک نسخہ تحفۃً دیا جائے گا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُوْلِيْ الْأَلْبَابِ o

بیشک آسمانوں اورزمین کی تخلیق اوررات ودن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔(ال عمران)

مخلوقات میں غور کرکے اللہ کی صفات کو سمجھنے کا طریقہ

مخلوقات کو معلق رکھنے میں اللہ کی کونسی صفات سمجھ سکتے ہیں؟

آسمان، زمین، سورج، چاند، ستاروں کو بغیر کسی سہارے کے بغیر ستونوں کے معلق رکھ کر اللہ نے اپنی صفت قادر وقدیر (ہر اعتبار سے مکمل قدرت رکھنے والا) کا اظہار کیا ہے، اور سمجھایا کہ وہ اپنی صفت تخلیق (پیدا کرنے والا) سے جس کو جیسا چاہے بنا سکتا ہے اور یہ بھی تعلیم ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت القیّوم (اپنے سہارے پر تمام کائنات کو سنبھالنے والا) سے ان کو بغیر کسی سہارے کے معلق رکھا، جب ان پر صفت القیوم کا سایہ پڑنا ختم ہوجائے گا ان کی آپس کی کشش ختم ہوکر گر جائیں گے، ان کے درمیان کشش کو رکھ کر اپنی صفت القویّ (مکمل طاقت وقوت والا) کو ظاہر کر رہا ہے، سورج، چاند اور ستاروں کی گردش، روشنی اور سردی وگرمی سے مخلوقات کی ربوبیت صفتِ رزاق کا اظہار کر رہا ہے، ان میں جو خوبصورتی ہے وہ صفتِ مصور کا اظہار ہے، سورج کا جو جلال ہے وہ صفت قہار کا اظہار ہے۔

ستاروں، سیاروں اور آسمانوں کو زمین سے کروڑ ہا میل دور رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی کن صفات کو سمجھ سکتے ہیں؟

ستاروں اور سیاروں کو زمین سے کروڑ ہا میل دور رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی صفت حکیم (حکمت ودانائی والا) ہر کام مصلحت سے کرنے والا سمجھ میں آتا ہے۔

صرف سورج پر غور کیجئے: اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی مخلوقات کی پرورش ونگہداشت کے لئے صفت رب (پرورش کرنے والا) سے سورج کو لاکھوں میل دور رکھا ہے، ورنہ زمین پر سردی، گرمی اور روشنی کے نظام میں فرق آجاتا تھا، صفت حکمت سے چاند کو اتنے ہی فاصلے پر رکھا جس سے سمندر اپنا کام کرسکے، ورنہ زمین پر بار بار مدّ وجزر آتا رہتا تھا، اللہ کی حکمت

اللہ ہی جانے، سورج کی گرمی سے اللہ کی صفت القویؔ ظاہر ہو رہی ہے، اور چاند کی ٹھنڈی روشنی سے اللہ کی صفت رحمت ظاہر ہوتی ہے، چاند اور سورج پر گہن لا کر اپنی صفت قدیر کو ظاہر فرما رہا ہے، غروب کے بعد پھر طلوع کر کے اللہ اپنی صفت المعید (ختم ہونے کے بعد دوبارہ وجود میں لانے والا) کا اظہار کر رہا ہے، اپنی صفت علیم سے چاند کو دنیا کی جنتری بنا کر دنیا میں علم حساب جاری کیا جس سے دن رات، تاریخ، حساب و کتاب سب کچھ ہوتا ہے۔

بیج سے پودے نکلنے میں اللہ کی کون کون سی صفات ہم سمجھ سکتے ہیں؟

بیج، پودا یا درخت اور پھل سے علاحدہ ہو کر کئی مہینے پڑا رہ کر سوکھ جاتا ہے اور مردہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے زمین کو قبر بنا کر پانی سے بیج کے ذریعہ اپنی صفت قدیر کا اظہار کرتا ہے کہ وہ ہر طرح سے قادر ہے اور کسی بھی مردہ اور بے جان چیز سے اپنی صفت المعید (ختم ہونے کے بعد دوبارہ وجود میں لانے والا) کے ذریعہ مردہ بیج میں ایک جاندار پودا زمین کی قبر سے نکالتا ہے اور پھر ہوا، پانی، روشنی اور گرمی کے ذریعہ اپنی صفت رب (ہر چیز کی مکمل پرورش کرنے والا) کے ذریعہ اس کی پرورش کرتا ہے اور اس کو ایک درخت میں تبدیل کر دیتا ہے، پھر درخت بڑا ہو جانے کے بعد اپنی صفت تخلیق (پیدا کرنے والا) کے ذریعہ ہر درخت کے پتوں، ڈالیوں، پھل اور پھول کی شکلیں اپنی صفت المصوّر (صورت بنانے والا) کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنی حکمت (دانائی و منصوبے) سے تمام درخت کے پھولوں، پھلوں اور پتوں کی خاصیتیں الگ الگ رکھتا ہے؛ تاکہ ان سے جاندار مخلوقات کی پرورش ہوتی رہے اور ان درختوں سے سامانِ حیات عطا فرما کر اپنی صفت قدیر (ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا) کو سمجھاتا ہے۔

وہ اپنی تخلیق سے ایک مردہ بیج کے اندر درخت اور پودے کی تمام صفات اور اس کی دنیا میں ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا پورا ڈاٹا صفت علیم اور صفت ہادی کے ذریعہ محفوظ رکھتا ہے اور درخت اور پودوں کو اپنی صفت الہادی (ذمہ داری کی ہدایت دینے والا) کے ذریعہ انتظام کر رہا ہے، درختوں سے ٹھنڈی ہواؤں کا چلنا، اللہ کی صفت رحمت کا اظہار ہے۔

پتّے ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرکے پانی کے بخارات' آکسیجن کے ساتھ خارج کرتے ہیں، پانی کے بخارات سے اللہ اپنی صفت قدیر سے ابر بناتا ہے، اور اللہ اپنی صفت تخلیق (پیدا کرنے والا) سے پتوں میں گلوکوس تیار کرکے زائد گلوکوس کو اپنی ہدایت سے پتّوں سے ڈالیوں میں منتقل کرواتا ہے، پھر پتے اور ڈالیاں اپنی مقدار کا گلوکوس لیکر تنے کی طرف منتقل کرتے ہیں اور تنا اس گلوکوس کو جڑوں کی طرف منتقل کرتا ہے، جڑیں اپنی مقدار کا گلوکوس لیکر پھولوں کی طرف، پھر پھولوں سے زائد گلوکوس پھلوں کی منتقل کرتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات تخلیق' باری اور ہادی کا اظہار ہے۔

اس سے ایمان والوں کو یہ ہدایت مل رہی ہے کہ وہ بھی مردہ بیج کی طرف زندہ جاندار بن کر انسانوں میں وحی کے مٹھاس والے علم کو منتقل کریں اور تمام انسانوں کو اس ہدایت کی طرف بلائیں کہ جب اللہ تعالیٰ مردہ بیج کو کئی سالوں بعد زندہ کرسکتا ہے تو انسانوں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کرسکتا، بیشک وہ المعید (فنا ہوجانے والی چیز کو دوبارہ وجود بخشنے والا) ہے، دوبارہ زندہ کرے گا۔

زمین پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی کونسی صفات سمجھ میں آسکتی ہیں؟

زمین کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنایا ہے نہ ٹھوس ہے اور نہ نرم، اللہ کی صفت تخلیق سمجھ میں آتی ہے، پھر اس کو کالی، لال، بھوری، اونچی نیچی وادیوں والی، ریگستانی اور پتھریلی بنایا، اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت المصوّر (صورت بنانے والا) نظر آتی ہے، اس کے ذریعہ مخلوقات کی بہت ساری ضرورتیں پوری کررہا ہے، اس سے اللہ کی صفت رب (پرورش کرنے والا) سمجھ میں آتی ہے، اس کو دوسرے سیاروں کی طرح سنبھلے ہوئے رکھا ہے، اس سے اللہ کی صفت القیّوم (اپنے سہارے سنبھالنے والا) سمجھ میں آتی ہے، اس کو اپنے اوپر بہت ساری مخلوقات کا بوجھ اٹھانے کے قابل رکھا، اس سے اللہ کی صفت القویّ (قوت والا) سمجھ میں آتی ہے، اس کو گرما میں مردہ کردیتا ہے، اس سے اللہ کی صفت الممیت (مارنے والا) سمجھ میں آتی ہے، اس کو برسات میں دوبارہ زندہ کردیتا ہے، اس سے اللہ کی صفت المعید (دوبارہ زندہ کرنے والا) سمجھ

میں آتی ہے، زلزلوں کے ذریعہ ہلا کر صفت قہار (گرفت کرنے' پکڑنے والا) کو سمجھا تا ہے۔

پانی میں اللہ کی کونسی صفات سمجھ میں آتی ہیں؟

پانی کو اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے استعمال کے قابل بنایا، اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت حکمت (دانائی) سمجھ میں آتی ہے، اس کو بے رنگ اور بہنے والا رکھا، اس سے اللہ کی صفت المصوّر (صورت بنانے والا) سمجھ میں آتی ہے، پانی سے مخلوقات کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، اس سے اللہ کی صفات رب (پرورش کرنے والا) اور رزّاق سمجھ میں آتی ہیں، پانی کو برف، بھانپ، گرم، ٹھنڈا اور پھر اصلی حالت پر لوٹنے کے قابل بنایا' اس سے اللہ کی صفات رزّاق اور تخلیق (پیدا کرنے والا) سمجھ میں آتی ہیں، اس سے مردہ بیجوں اور پودوں کو زمین کو زندہ کرتا ہے، اس سے اللہ کی صفت المعید (دوبارہ زندہ کرنے والا) سمجھ میں آتی ہے، اس کے ذریعہ آندھی، سیلاب اور طوفان لا کر انسانوں کو سزا دیتا ہے' اس سے اللہ کی صفت القویؐ (قوت والا) سمجھ میں آتی ہے، اس میں ڈبو کر جاندار کو موت کے حوالے کرتا ہے' اس سے صفت القہار (پکڑنے والا) سمجھ میں آتی ہے، پانی کو سمندروں میں کھارا بنا کر رکھنے میں اللہ کی صفت الحفیظ سمجھ میں آتی ہے۔

کائنات کی مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی صفات آسانی سے سمجھ میں آتی ہیں

ہر مخلوق کو اللہ نے الگ الگ صورت اور شکل دے کر اپنی صفت المصوّر (صورت، شکل، رنگ وروپ اور خوشبو دینے والا) کو ظاہر کیا، تقریباً جانداروں کو اپنی صفات سمیع، بصیر اور علیم وخبیر کی ہلکی سی صلاحیت عطا کی ہے، اسی طرح جانداروں کو ربوبیت، رحم، محبت، عفوو درگذر اور مدد کرنے کی ہلکی سی نقل کرنے کی صلاحیت دی ہے، حفاظت، تربیت، رزق پہنچانے کی ہلکی سی نقل کی صلاحیت دی، انسانوں اور تمام جانداروں میں اللہ کی صفات ہادی اور علیم الگ الگ نظر آتی ہیں، سوائے انسان وجن کے تمام جاندار مخلوقات اللہ کی پاکی، بڑائی اور تسبیح بیان کرتی ہیں، بہتا پانی' پاکیزہ کپڑا اور ہرا درخت بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

سیرت کے واقعات میں صفاتِ الٰہی کو سمجھنے کا طریقہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً o (الاحزاب: ٢١)

ضرور بالضرور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے' اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت سے امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہو۔

پیغمبروں کو بوڑھاپے میں اولاد ملنے میں اللہ کی کونسی صفت سمجھ سکتے ہیں؟

اولاد کا دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے، اس نے دو پیغمبروں کو ایسی عمر میں اولاد عطا فرمائی جبکہ وہ بہت ضعیف ہو چکے تھے، ان کی بیویاں بانجھ ہو چکی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت تخلیق سے ان کو اولاد دی اور صفت المنان سے احسان کیا اور اپنی صفت قدیر کے ذریعہ قدرت کا مظاہرہ کیا وہ ہر چیز پر ہر طرح سے قدرت رکھتا ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اور حضرت آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت حواؑ کو بغیر ماں کے پیدا کر کے اپنی صفت تخلیق کا اظہار کیا، اور یہ تعلیم دی کہ وہ اپنی قدرت میں کسی کام میں مجبور ومحتاج نہیں ہے، وہ سبحان (ہر مجبوری سے پاک) ہے، وہ ہر قسم کی قدرت رکھنے والا قادر ہے، **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ**۔

حضرت سارہؓ' بادشاہ سے اللہ کی کونسی صفت کے ذریعہ محفوظ رہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ حضرت سارہؓ کو لیکر فلسطین جارہے تھے، راستے میں ایک بادشاہ نے جو برائی کا عادی تھا' حضرت سارہؓ کو پکڑ لیا اور جب ان کی عصمت پر حملہ کرنا چاہا تو اللہ نے کچھ ایسے حالات پیدا کر دئے کہ وہ قریب نہ آسکا، گھبرا کر چھوڑ دیا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت اپنی صفات حافظ و حفیظ کے ذریعہ کرتا ہے، حضرت سارہؓ کی حفاظت بھی اس نے صفت حفیظ کے ذریعہ کی۔

حضرت ہاجرہؑ اور بچہ کو صحرا میں چھوڑنے میں اللہ کی کونسی صفات سمجھ سکتے ہیں؟

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت

اسماعیلؑ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کی جگہ مکہ میں چھوڑ دیں تو حضرت ابراہیمؑ ان دونوں کو سنسان بے آب و گیاہ ریگستانی وادی میں چھوڑ کر جارہے تھے، حضرت ہاجرہؓ نے کئی مرتبہ پیچھے پیچھے چلتے ہوئے پوچھا: ہمیں سنسان وادی میں چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں؟ مگر حضرت ابراہیمؑ خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، آخر میں حضرت ہاجرہؓ نے خود پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ تو حضرت ابراہیمؑ نے صرف ہاں میں سر ہلا دیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے سنسان وادی میں اللہ تعالیٰ کی صفت حفیظ پر اعتماد کر کے بغیر کوئی بہانہ بنائے کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ کر چلے گئے، جب چھوڑ کر جارہے تھے اور حضرت ہاجرہؓ کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ اللہ کا حکم ہے تو انہوں نے بھی اللہ کی صفت حفیظ پر کامل ایمان ویقین رکھ کر کہا کہ اگر یہ بات ہے تو جایئے اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ جب کچھ وقت کے بعد کھجور اور پانی ختم ہوگیا تو وہ بچے کو روتا ہوا دیکھ کر صفا اور مروہ پہاڑوں کے درمیان پانی کی تلاش میں سات چکر لگائیں تا کہ کہیں پانی نظر آجائے یا کوئی قافلہ ہی نظر آجائے تو کچھ کھانے پینے کو مل جائے اور بچے کی بھوک مٹے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہؓ کی اس بے قراری پر اپنی صفت رزاقیت سے حضرت اسماعیلؑ کے پیروں کے نیچے سے پانی کا چشمہ جاری فرمادیا، جسے زمزم کہتے ہیں، اور اپنی صفت قدیر کا اظہار فرمایا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے صفت رحمت سے اس شہر کو آباد کردیا اور پھر ہر زمانے کے حاجیوں کے لئے اپنی صفت المنان (احسان کرنے والا) سے زمزم کو الحمدللہ جاری کردیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی عبدیت و بندگی کی اپنی صفت الشکور (قدر کرنے والا) کے ذریعہ قدر کرتا ہے، اس نے اپنی صفت الشکور سے حضرت ہاجرہؓ کے عمل کی قدر کرتے ہوئے اس عمل کو قیامت تک تمام حاجیوں پر حج کے دوران صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کو لازم کردیا، جس کا ثواب حضرت ہاجرہؓ کو ہر سال ملتا رہتا ہے، زمزم کو ریگستان کے بالکل سوکھے لق ودق صحراء کے مقام پر جس کے قریب نہ کوئی جزیرہ ہے نہ تالاب، نہ سمندر، برسوں سے برکت کے ساتھ جاری رکھنا اور اس میں بھوک مٹنے کا اثر رکھنا

اللہ کی صفت قدیر (ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا) اور صفت رزاق کا اظہار ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے میں ہمیں اللہ کی کونسی صفت سمجھ میں آتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرتا ہوا دِکھایا، اس سے انہوں نے اندازہ لگالیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم دے رہا ہے، حضرت اسماعیلؑ اس وقت ۱۲۔۱۳ سال کے لڑکے تھے، ان کی ماں نے ان کی تربیت کی تھی، اس عمر میں وہ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ویقین رکھتے تھے، جب حضرت ابراہیمؑ نے ان سے اللہ کے نام قربان ہونے اور قربانی دینے کے لئے رضامندی جاننا چاہی، اللہ کی محبت صفت الودود (محبت کرنے والا) کی محبت میں بغیر کسی ہچکچاہٹ اور اعتراض کے اللہ کی فرمانبرداری میں کہا کہ ابّا جان! جو کچھ اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اُسے پورا کرڈالئے، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے خواب کو سچ کردکھانے پر ان کی جگہ جنت کا مینڈھا بھیجا اور حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسماعیلؑ کی اس عبدیت و بندگی کے اعمال کو قبول کرکے اپنی صفت الشکور (نیک اعمال کی قدر کرنے والا) کے ذریعہ ان کے اس عمل اور شیطان کے راستے میں بھٹکانے اور اُسے ذلیل کرنے کے عمل کو قیامت تک کے لئے حج کا حصہ بنادیا اور ہر سال حاجی حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسماعیلؑ کے اس عمل کی نقل حج میں کرتے ہیں اور ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ امت مسلمہ میں اپنی صفت الشکور سے ہر صاحبِ استطاعت کو قربانی کی سنت عطا کروا رہا ہے، اور اپنی صفت الوہاب (بے انتہا عطا کرنے والا) سے اجر وثواب حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اہل وعیال کو عطا فرما رہا ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی کو عطا کرنا چاہے تو وہ ایسے ہی عطا کرتا ہے، اللہ نے دنیا میں ہزاروں پیغمبروں کو بھیجا مگر حضرت ابراہیمؑ کی سنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جاری فرمایا، اور امت مسلمہ کا نام بھی حضرت ابراہیمؑ کے نام مسلم پر رکھا، اور درود شریف میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر رحمت کی دعا کروا رہا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے طریقۂ دعوت میں اللہ تعالیٰ کی کونسی صفات سمجھ میں آسکتی ہیں؟

حضرت ابراہیمؑ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی صفت حکمت و دانائی کے ساتھ صفت ہادی کی طرف دعوت دیتے تھے، انہوں نے پہلے ستاروں چاند اور سورج کے غروب ہونے پر قوم کو یہ ہدایت دی کہ اگر یہ خدا ہوتے تو ان میں تغیُّر وتبدیلیاں اور عروج وزوال نہیں ہوتا، لہٰذا میں ان کو رب نہیں مانتا۔ اسی طرح انہوں نے اللہ کی صفت ہادی کی طرف دعوت دینے کے لئے حکمت و دانائی کے ساتھ بتوں کے ہاتھ پیر ٹوٹ جانے کے بعد مشرکین کو بڑے بت سے پوچھنے اور دریافت کرنے کو کہا، تو ان کو سمجھایا کہ یہ تو خود اپنا دفاع نہیں کرسکتے، نہ بات کرسکتے ہیں، نہ مدد کرسکتے ہیں، تو کیسے تمہاری مدد کریں گے؟

اللہ کی صفت حکمت ودانائی کی نقل میں بادشاہ نمرود سے فرمایا کہ اللہ مشرق سے سورج نکالتا ہے اور مغرب میں ڈوباتا ہے، زندہ کو موت دے سکتا ہے اور مردہ کو زندہ کرسکتا ہے، تم سورج کو مغرب سے نکال کر بتلاؤ اور کسی مردہ کو زندہ کرکے دکھاؤ، نمرود اس بات پر عاجز آ گیا۔

حضرت صالحؑ کے وقت پہاڑ سے گابھن اونٹنی نکال کر، حضرت موسیٰؑ کے عصا سے سانپ وراستہ بنا کر اور حضرت محمد ﷺ کے انگلی کے اشارے سے چاند کے ٹکڑے کرکے اللہ نے اپنی کونسی صفت کا اظہار فرمایا؟

حضرت صالح علیہ السلام سے قوم کے مطالبہ پر پہاڑ سے گابھن اونٹنی نکال کر، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو جادوگروں کے مقابلے میں اژدہا بنا کر، اور سمندر میں عصا کے ذریعہ بارہ راستے بنا کر، اور پتھر سے بارہ چشمے نکال کر، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کروا کر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت المبدئ (جو چیز پہلے سے موجود نہیں اس کو وجود میں لانے والا) کا اظہار کیا۔

حضرت موسیٰؑ کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی کونسی صفت سمجھ میں آتی ہے؟

فرعون نے اپنے درباریوں کی درخواست پر ایک سال پیدا ہونے والے مرد بچوں

کو زندہ رکھتا تھا، دوسرے سال پیدا ہونے والے بچوں کا قتل عام کرتا تھا تاکہ ملک میں مزدوری کرنے گھروں اور کھیتوں میں کام کرنے والوں کی کمی نہ ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کو اس سال پیدا فرمایا جس سال بچوں کا قتل عام نہیں ہوا تھا، اور حضرت موسیٰؑ کو اس سال میں پیدا فرمایا جس سال بچوں کا قتل عام ہوا تھا، پھر حضرت موسیٰؑ کو ان کی ماں کے ذریعہ ایک صندوق میں ڈال کر فرعون کے گھر سے بہنے والی نہر میں پہنچا دیا اور دنیا کو یہ تعلیم دی کہ وہ کائنات کا مالک ہے، ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے، اس نے اس طرح اپنی صفت قدیر اور صفت الحفیظ کا اظہار کیا۔

فرعون کے گھر میں حضرت موسیٰؑ کی پرورش سے اللہ کی کونسی صفات سمجھ میں آتی ہیں؟

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کے دل میں اپنی صفت ودود (محبت کرنے والا) کا نور ڈال کر بچے سے فرعون کی بیوی کو متاثر کر کے محبت پیدا کردی اور اپنی صفت حفیظ کے ذریعہ قتل ہونے سے محفوظ کردیا، پھر حضرت موسیٰؑ کی پرورش کا انتظام فرعون ہی کے محل میں شہزادے کی حیثیت سے کروا کر اور ماں کے پاس کچھ دن واپس کروا کر اپنی صفت ربوبیت کا اظہار فرمایا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت سے دشمن ہی کے گھر میں رکھ کر ان کی پرورش کی اور یہ ظاہر کردیا کہ دنیا کی کوئی طاقت اللہ کی بنائی تقدیر سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں کرسکتی۔

فرعون کو پہلے ہی خواب بتلا کر حضرت موسیٰؑ کو پیدا فرمایا اور قتل سے بچالیا، اور اپنی صفت قدیر (ہر چیز پر قدرت رکھنے والا) کا اظہار کیا، پھر دشمن ہی کے ذریعہ حضرت موسیٰؑ کی پرورش کروا کر صفت رب (پالنے والا) کا اظہار کیا۔

حضرت موسیٰؑ کو شاہی محل مصر سے نکال کر مدین بھیجنے میں اللہ کی کونسی صفات سمجھ میں آتی ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے شاہی محل سے قتل کو بہانہ بنا کر مدین بھیجنے میں

اللہ تعالیٰ کی بہت ساری حکمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے چونکہ حکیم (ہر کام دانائی سے کرنے والا) ہے، کوئی کام بیکار اور عبث نہیں کرتا، مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام یا ان کے بھتیجے کے پاس بھیج کر روحانی تربیت کا سامان کیا۔

اللہ تعالیٰ چونکہ رزاق ہے، جس کے معنیٰ ہیں ہر قسم کی دنیوی اور روحانی روزی دینے والا، روزی میں غذائیں' اولاد' دولت' علم عطا' دین' یعنی سب ہی آتا ہے۔

یہ تربیت شاہی محل میں اللہ کے باغیوں اور مشرکین کے ساتھ شہزادے کی حیثیت سے نہیں کرنا چاہتا تھا محل کے ماحول کے لحاظ سے شاہانہ زندگی میں ان کو نبوت نہیں دینی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کے فیصلہ کے تحت ان کو کوہِ طور' وادیٔ طویٰ پر پیغمبری دینا چاہتا تھا، اور عصا اور یدِ بیضاء کے معجزات سے اللہ پر مضبوط یقین پیدا کرنا تھا، اور ایمان کی حقیقت سمجھانا تھا اور اپنا تعارف کروانا تھا، اور فرعون کے خوف کو نکالنا تھا، فرعون اور اس کی قبطی قوم کو دعوتِ حق سمجھانا تھا، اور حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی سے نکاح اور اولاد دینا تھا، اور اپنی صفت حلیم (بے انتہا برداشت کرنے والا اور بے انتہا نرمی کرنے والا) کی صفات اور اپنی صفتِ صبور (گنہگاروں پر نرمی کر کے برداشت کرنے والا) کا عادی بنانا تھا، اور یہ شاہی محل کے ماحول میں رہتے ہوئے نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ چونکہ رزاق ہے حضرت موسیٰؑ کو جسمانی و روحانی غذا عطا کرنا ضروری تھا، اس نے مصر سے نکلنے کے بعد اپنی صفت ربوبیت سے مدین میں حضرت موسیٰؑ کے لئے رزق کا انتظام، مزدوری کروا کر بکریاں چَرانے اور ان کو پانی پلانے کے لئے کیا اور بکریاں چَرانے کے ذریعہ اپنی صفات حلیم اور صبر کی تربیت کی تا کہ وہ پیغمبر بننے کے بعد فرعون سے نرمی سے گفتگو کریں، قبطی قوم کی زیادتیوں کو برداشت کریں اور آئندہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور گستاخیوں کو سہنے والے اور برداشت کرنے والے بنیں۔

اللہ تعالیٰ نے تقریباً تمام پیغمبروں سے بکریاں چرانے اور مزدوری و تجارت کے کام اپنی انہی صفات کا عادی بنانے کے لئے کیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں، وہ اپنی

حکمتیں خود ہی جانتا ہے، کسی انسان کے بس میں نہیں کہ اس کی حکمتوں کو سمجھ سکے۔

حضرت موسیٰؑ کے عصا اور یدِ بیضاء میں ہم اللہ کی کونسی صفات سمجھ سکتے ہیں؟

نبوت عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے عصا جو لکڑی کا ایک ڈنڈا تھا اور آپؑ کو اپنے دائیں ہاتھ کو بغل میں رکھ کر نکالنے سے روشن، سفید چمکدار بن جانے کے معجزات عطا کئے، اس سے ہمیں یہ علم ملتا ہے کہ اللہ زندے سے مردہ کو نکالتا ہے اور مردہ سے زندہ کو نکالنے کی مکمل قدرت رکھتا ہے، اس نے بے جان سوکھی ہوئی درخت کی لکڑی جس سے حضرت موسیٰؑ بکریوں کے لئے پتے توڑنے اور دوسرے کام کرتے تھے، اس بے جان لکڑی کو اپنی صفت المبدیٔ (جو چیز پہلے سے نہ ہو اس کو وجود میں لانے والا) کے ذریعہ جاندار دوڑتا بھاگتا اصلی سانپ بنادیا، جو پتھروں کو گرا کر دوڑ رہا تھا اور حضرت موسیٰؑ اس سے ڈر کر دور بھاگے تھے، ویسے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر اعتبار سے قادر ہے، وہ سانپوں کے انڈوں میں سفیدی و زردی سے سانپ کے بچے بناتا ہی ہے، اسی طرح اس نے حضرت موسیٰؑ کے انسانی ہاتھ میں اپنی تخلیق سے روشنی اور سفید چمک پیدا کردی، یہ سب اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو انسانوں کو اللہ اپنی قدرت سمجھانے کے لئے ظاہر کرتا ہے، انسان، اللہ کے دئے ہوئے علم سے کیمیکل کے ذریعہ جہاں لائٹ نہ ہو یا گاڑیوں کے پچھلے حصہ میں ریڈیم Radium لگا کر بناتا ہے، وہ لائٹ کی طرح روشنی دیتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور جادوگروں کے مقابلہ میں کونسی صفاتِ الٰہی سمجھ میں آتی ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور جادوگروں کے مقابلہ کے دن جادوگروں کی تمام رسیاں جو انسانوں کو سانپوں کی طرح دوڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں، اپنی صفت قدیر (ہر قسم کی قدرت رکھنے والا) سے ان کو ناکارہ بنادیا اور جادوگروں کی جادوگری کو حضرت موسیٰؑ کے عصا کو سانپ بنا کر ہضم کروادیا اور اپنی صفت ہدایت (سیدھی راہ کی ہدایت و رہنمائی کرنے والا) کا جادوگروں پر نزول کر کے انہیں ایمان قبول کرنے کی ہدایت دی،

ان کے ایمان قبول کرنے پر فرعون نے ان کو قتل کرنے اور ان کے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری جانب کا پیر کاٹنے کی دھمکی دی، اس پر جادوگروں نے اللہ کی صفت المؤمن (امن و سلامتی بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا، ہر مصیبت سے نجات دینے والا) پر نگاہ رکھ کر فرعون سے بے خوف ونڈر بن کر کہا تو زیادہ سے زیادہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے، مگر ہمارے دلوں سے ایمان کی طاقت کو نہیں نکال سکتا۔

حضرت موسیٰؑ کو خشکی کے راستے کے بجائے سمندر کے راستے پر چلانے میں اللہ تعالیٰ کی کونسی صفت سمجھ میں آسکتی ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لے کر سمندر کے راستے پر چلے، جبکہ خشکی کا راستہ سینا سے قریب تھا، اس میں اللہ نے اپنی صفت حکیم کے ذریعہ بنی اسرائیل کو فرعون سے جنگ کئے بغیر ہی کامیابی دلا دی، اس لئے کہ فرعون فوج اور ہتھیار والا طاقتور تھا، بنی اسرائیل کے پاس کوئی فوج اور ہتھیار نہیں تھے، اور نہ وہ فرعون کے مقابلے اس سے جنگ کر سکتے تھے، خشکی کے راستے میں بنی اسرائیل کو پھر وہ حملہ کر کے غلام بنا لیتا اور قتل وخون کرتا، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حکیم (حکمت و دانائی والا) سے سمندر کے راستے پر لے جا کر فرعون کو بغیر جنگ کے صفت قہار (پکڑنے والا) کے ذریعہ ڈبو دیا، اور بنی اسرائیل کو بغیر جنگ کئے فرعون سے نجات دلا دی اور اس کے ملک پر قبضہ بھی دلا دیا۔

اللہ تعالیٰ کی اس حکمت میں بنی اسرائیل پر صفت المنان (احسان کرنے والا) کا اظہار ہوا اور فرعون کے حق میں اللہ تعالیٰ کی صفت المنتقم (انتقام لینے اولا) کے ذریعہ اللہ کی صفت قہار (قہر نازل کرنے والا) اور صفت الممیت (مارنے والا) کے ذریعہ اس کو اور اس کی پوری فوج کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرتِ مدینہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مدینہ کے راستے پر لیجانے کے بجائے مخالف سمت چلایا، غارِ ثور مدینہ کے

مخالف راستے پر ہے جس کی وجہ سے مشرکین تلاش میں ناکام ہو گئے۔

فرعون کو سمندر میں غرق کرنے اور بنی اسرائیل کو بچانے میں اللہ تعالیٰ کی کونسی صفات سمجھ میں آسکتی ہیں؟

آخر میں حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حکیم (حکمت و دانائی والا) سے ان کی قوم کے ساتھ رات کے وقت پانی یعنی سمندر کے راستے سے نکلنے کی ہدایت دی، جبکہ سمندر کا راستہ سینا کی طرف جانے کے لئے طویل اور مشکل تھا اور خشکی کا راستہ قریب اور آسان تھا، فرعون کو جب خبر ملی کے بنی اسرائیل مصر چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں' تو وہ پورے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کرنے کے لئے نکل پڑا۔

حضرت موسیٰؑ جیسے ہی سمندر کے پاس پہنچے تو بنی اسرائیل نے فرعون اور اس کے لشکر کو آتا ہوا دیکھ کر چیخ و پکار کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو سمندر پر عصا مارنے کا حکم دیا، عصا مارتے ہی اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا ظہور ہوا اور پانی دیواروں کی شکل میں کھڑا ہو کر اللہ کی صفت قدیر سے بارہ راستے بن گئے، اس معجزے سے اللہ تعالیٰ کی صفت قادر آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق سے کام لے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت الحفیظ (حفاظت کرنے والا) کے ذریعہ حفاظت کی، پوری بنی اسرائیل کے راستہ پار کرتے ہی فرعون اور اس کی فوج بھی ان ہی راستوں پر آ گئی۔

اللہ تعالیٰ جب کسی کی موت کا وقت لاتا ہے تو وہ خود بخود اپنے موت کے مقام پر آجاتے ہیں، ہر ایک کی موت کا وقت اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر میں لکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت شدید العقاب (سخت سزا دینے والا) کو ظاہر کر کے فرعون اور اس کی پوری قوم کو ڈبو کر ہلاک کر دیا اور فرعون کی لاش کو قیامت تک آنے والے انسانوں کو عبرت و نصیحت دینے والے المنتقم (انتقام لینے والا) کی صفت کو سمجھانے کے لئے محفوظ رکھا اور بنی اسرائیل کو اپنی صفت المنان (احسان کرنیوالا) کے ذریعہ فرعون اور اس کی قوم سے نجات دی، اور بغیر جنگ کے صفت الوہاب (عطا کرنے اور بخشنے والا) کے ذریعہ فرعون کے

محلات، سونا چاندی، زمین و جائیداد عطا کر دیا، ورنہ بنی اسرائیل خشکی پر فرعون سے جنگ نہیں کر سکتے تھے، وہ نہتے تھے یعنی ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔

بنی اسرائیل کو بغیر محنت کے منّ وسلویٰ کے ملنے میں اللہ کی کونسی صفات سمجھ میں آسکتی ہیں؟

جب بنی اسرائیل نے جہاد کرنے سے انکار کیا اور بزدلی دکھائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ۴۰ رسال تک سینا کے میدان میں بغیر آسرے کے رکھا، وہاں ان کے لئے بغیر محنت و مشقت کے اپنی صفت ربوبیت (پرورش کرنے والا) کے ذریعہ صفت رزّاق کا اظہار کیا اور منّ وسلویٰ کا انتظام کیا، منّ گوند اور دھنیا کی مانند ہوتی تھی، جو ہر روز اوس کی شکل میں دن نکلنے تک برستی تھی، اور اپنی صفت ہدایت کے ذریعہ سلویٰ یعنی بٹیر نُما پرندوں کو ہدایت دے رکھی تھی، جو ہزاروں کی تعداد میں ہر روز ان کے پاس آتے، یہ لوگ بغیر شکار کئے آسانی سے پکڑتے اور غذا بنا لیتے تھے۔

ریگستان میں بغیر کسی آسرے کے رہنا، موت کو دعوت دینا ہے، سورج کی گرمی اور دھوپ کو ختم کر کے اپنی صفت المنان (احسان کرنے والا) کے ذریعہ ابر کا انتظام کر کے مسلسل ٹھنڈا سایہ ان کے ساتھ ساتھ چلنے کے قابل بنا دیا، ریگستانی میدان میں پانی کا میلوں پتہ نہیں ہوتا، حضرت موسیٰؑ کو ایک چٹان پر اپنا عصا مارنے کا حکم دیا، اور بتلایا کہ وہ زندہ سے مردے کو اور مردہ سے زندہ کو نکالنے کی پوری قدرت رکھتا ہے، اپنی صفت تخلیق سے بغیر بارش، تالاب اور کنویں کے اس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بغیر کسی بنانے والے کے بارہ چشمے بننے سے ہر قبیلہ پانی حاصل کر لیتا، ورنہ پانی کے لئے جھگڑا کرتے۔

پھر سینا ہی میں بنی اسرائیل نے اندھیری رات کا شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت تخلیق سے تاریکی دور کرنے کے لئے خاص روشنی پیدا فرما دی۔ ۴۰ رسال تک قد اور عمریں بڑھنے میں لباس کا ہونا ضروری تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قدیر (ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا) کا اظہار کر کے جسم کے کپڑوں کو نئے کے نئے اور صاف ستھرے رکھا، اور ہر ایک

کا لباس ان کے قدوں اور جسامت کے لحاظ سے جسم ہی پر بڑھتا رہتا تھا۔

یہ تمام بغیر محنت ومشقت کے ملنے کی وجہ سے وہ مزید اللہ کے شکر گذار، عبادت گذار اور فرمانبردار بندے بن جانا چاہیئے تھا، ان کی اکثریت کفرانِ نعمت میں مبتلا رہی اور پیغمبر کی صحیح فرمانبرداری اور اطاعت نہیں کرتی تھی، اور بغیر محنت کے منّ وسلویٰ کے ملنے اور پرورش پانے پر شکر کرنے کے بجائے ادنیٰ غذاؤں کا مطالبہ کرنے لگے جو زراعت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں، ان کے دل نرم پڑنے کے بجائے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی بار بار کی نافرمانیوں پر اپنی صفت عفوودرگذر کے ذریعہ معاف کرتا رہا اور انہیں اپنی صفت حلیم (انتہائی برداشت ونرمی کرنے والا) کے ذریعہ سنبھلنے کا موقع دیتا رہا۔

بنی اسرائیل کے ہفتہ کے دن کی بے حرمتی، قوم نوحؑ وقوم لوطؑ پر عذاب میں اللہ تعالیٰ کی کونسی صفات سمجھ میں آتی ہیں؟

بنی اسرائیل ہفتہ کے دن کا احترام نہیں کرتے تھے، اور تاویلات کے ساتھ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے، تو اس معاملے میں ان میں تین گروپ ہوگئے، ایک گناہ کرنے والا، دوسرا اُن گناہ کرنے والوں کو گناہ سے روکنے والا، تیسرا نافرمانی کا تماشا دیکھنے والا (وہ گناہ کرنے والوں کو گناہ سے روکتے نہیں تھے)، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت شدید العقاب (سخت سزا دینے والا) کا اظہار کرکے ان گناہ کرنے والوں کو اور گناہ سے نہ روکنے والوں کو بندر بنادیا، اور جو جماعت ان کو گناہ اور نافرمانی سے روک رہی تھی ان کو اپنی صفت السلام کے ذریعہ سلامتی ونجات عطا فرمائی۔

اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو باوجود صحیح ہدایت کی طرف بلائے جانے اور ان کے برائی اور گناہ کے کام نہ چھوڑنے پر اپنی صفت شدید العقاب (سخت سزا دینے والا) اور صفت قہار (پکڑنے والا) کا اظہار کیا اور ان پر پتھروں کی زبردست بارش برسا کر ہلاک کردیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت سلام کے ذریعہ حضرت لوط اور مومنین کو محفوظ رکھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو نو سو سال اللہ نے اپنی صفت صبور، حلیم اور عفو کے

ذریعہ سنبھلنے کا موقع عطا کیا، لیکن اس کے باوجود ہدایت الٰہی کو نہ ماننے کے جرم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قادر سے آسمانوں اور زمین سے پانی کے دروازے کھول دئے اور پھر اپنی صفت شدید العقاب کے ذریعہ پوری قوم کو غرق کر دیا، اور جو لوگ حضرت نوحؑ پر ایمان لائے تھے ان کو اللہ نے اپنی صفت المؤمن (امن دینے والا، مصیبت سے نجات دینے والا) کے ذریعہ پانی کے طوفان سے، بچایا اور صفت السلام کے ذریعہ سلامتی اور نجات عطا فرمائی۔

قارون کی ناشکری پر سزا میں اللہ کی کونسی صفات سمجھ میں آتی ہیں؟

دنیا میں کسی مخلوق کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ملنے پر غرور وتکبر کرے، تکبر کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے، تکبر کرنا گویا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مدّ مقابل ٹھہرانا ہے، قارون کو اللہ نے اپنی صفت الوہاب (بہت دینے والا) کے ذریعہ بے انتہا دولت عطا فرمائی تھی، وہ دولت کے نشہ میں اندھا ہو کر اس کو اللہ کی نعمت نہیں سمجھا بلکہ اپنی محنت کی کمائی اور ذاتی کوشش کا نتیجہ سمجھتا تھا، اور اس میں سے مفلسین، غرباء اور مساکین کا حق ادا کرنے سے انکار کرتا تھا، اور فرعون کا مخبر بن کر بنی اسرائیل کی خفیہ باتوں کو اس تک پہنچا تا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کو برائے نام پیغمبر مانتا تھا، حضرت موسیٰؑ کو بدنام کرنے کے لئے ان پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانا چاہا، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قہار (قہر برسانے والا، سب پر مکمل قابو رکھنے والا) کے ذریعہ اپنی صفت شدید العقاب (سخت سزا دینے والا) کو ظاہر کیا اور اس کو اس کے خزانوں کے ساتھ زمین میں دفن کر دیا، اور قیامت تک انسانوں کو اس کے واقعہ سے یہ تعلیم دی کہ نافع وضار صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ العزیز (ہر طرح سے ہر چیز پر غالب ہے) کا اظہار کیا، اس لئے انسان کو دولت، علم، دنیا کی طاقت' حکومت اور اقتدار اور دنیا کی نعمتوں پر تکبر اور غرور نہیں کرنا اور ناشکرا نہیں بننا چاہئے۔

حضرت عزیرؑ کو موت دے کر اللہ نے اپنی کونسی صفات کا اظہار فرمایا؟

جب حضرت عزیر علیہ السلام سفر پر جا رہے تھے تو اللہ کے دوبارہ زندہ کرنے پر دل میں خیالات پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی سواری گدھے کو اپنی صفت الممیت

(مارنے والا) کے ذریعہ موت دے دی اور ان کا توشہ جو ساتھ تھا اُسے سو سال تک تر و تازہ باقی رکھا، پھر سو سال بعد ان کو دوبارہ زندہ کیا، جب انہوں نے دیکھا کہ گدھا مر کر پوری طرح خاک اور ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں، وہ صحیح سلامت جیسے پہلے تھے ویسے ہی اعضاء کے ساتھ زندہ ہوگئے اور ان کا توشہ تک تر وتازہ باقی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیزؑ کو دوبارہ زندہ کر کے اپنی صفت المعید (جو فنا ہو کر ختم ہوگئی اس کو پھر دوبارہ وجود میں لانے والا) کو ظاہر کیا اور ان کے توشہ کو تازہ اور صحیح سلامت رکھ کر اپنی صفت قدیر (ہر طرح سے قدرت رکھنے والا) ظاہر کیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردہ کو دوبارہ زندہ کرنا، مٹی کی بے جان چڑیا کو اللہ کے حکم سے پھونک مار کر جاندار بنانے کے معجزات میں اس نے اپنی صفات المعید اور المبدیٔ (جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو اس کو وجود میں لانے والا) کا اظہار کیا، اور حضرت عیسیٰؑ کو موت دئے بغیر جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھالیا اور اپنی صفت الحفیظ (حفاظت کرنے والا) اور القدیر (ہر قسم کی کامل قدرت رکھنے والا) کا اظہار فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے جو سردار کوہِ طور پر گئے تھے ان کے حضرت موسیٰؑ پر یقین نہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش کرنے پر صفت الممیت (مارنے والا) کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دئے گئے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی صفت المعید (فنا ہونے والی چیز کو دوبارہ زندہ کرنے والا) سے دوبارہ زندہ کیا۔

ابرہہ کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی کونسی صفت کا اظہار کیا؟

ابرہہ کو اپنی طاقت اور فوج کی کثرت پر بہت زیادہ بھروسہ تھا، وہ ۶۰/ ہزار فوج ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر حملہ کر کے کعبۃ اللہ کو گرانے کے لئے آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی چھوٹی سی مخلوق ابابیل کے ذریعہ مٹی کی پکی ہوئی کنکریوں سے اس کو اور اس کی فوج کو ہلاک کر دیا اور قیامت تک کافر انسانوں کو یہ سبق دیا کہ وہ المتین (زبردست قوت والا) ہے اور الکفیل

(کفالت کرنے والا) ہے، القیوم (نگہبان) ہے، اور العزیز (ہر چیز پر غالب) ہے، اس نے ابابیل کے ذریعہ اپنی صفت شدید العقاب (سخت سزا دینے والا) کو ظاہر کرکے ابرہہ اور اس کی فوج کو قہر میں مبتلا کردیا، اور المنتقم (انتقام لینے والا) ہونے کی حیثیت سے سزادی۔

رسول اللہ ﷺ کو بنو اسماعیل میں پیدا کرکے اللہ نے کونسی صفت کا اظہار فرمایا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں پیدا کرکے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حکیم (تمام کاموں کو مصلحت و دانائی سے کرنے والا) کا اظہار کیا اور یہود کے دشمن بن جانے کے بعد اللہ نے اپنی صفت حفیظ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی اور اُمّی عربوں میں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر اپنی صفت المنان (احسان کرنے والا، نوازنے والا) کا اظہار کیا، اور دنیا کو یہ تعلیم دی کہ دنیا اگر اللہ کے نور کو بجھانا چاہے تو اللہ کے نور کو کوئی نہیں بجھا سکتا، قیامت تک رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ کی لائی ہوئی کتاب دنیا میں رہے گی، وہ العزیز (ہر چیز پر غالب) ہے اور المدبّر (تدبیر کرنے والا) کو ظاہر فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کا بچپن میں یتیم ہونا اور بغیر کسی استاد کے علم سے آراستہ ہونا اللہ تعالیٰ کی کونسی صفات کو ظاہر کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور والدہ اور دادا کو وفات دے کر دنیا کو یہ سبق دیا کہ وہ کسی کا محتاج نہیں، اس نے رسول اللہ ﷺ کی پرورش عام انسانوں سے کروا کر تربیت و حفاظت کی، اور اپنی صفت حفیظ کے ذریعہ اپنی صفت ربوبیت کا انتظام دوسروں سے کروایا اور رسول اللہ ﷺ کی نرینہ اولاد کے انتقال پر مشرکین طعنہ دیتے تھے کہ آپ کی نرینہ اولاد نہیں' آپ ﷺ کا نام آپ کی زندگی کے بعد دنیا سے ختم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بغیر استاد اور بغیر مدرسہ و اسکول کے خود آپ ﷺ کی تربیت و رہنمائی کی اور تمام انبیاء میں سب سے زیادہ علم و ہدایت آپ کو عطا فرما کر اپنی صفت علیم اور صفت ہادی کو ظاہر کیا، پھر تقریباً پندرہ سو سالوں سے کروڑہا انسانوں کو علم و ہدایت عطا فرما کر ایمان کی روشنی عطا فرمائی اور آپ ﷺ کے امتیوں ہی سے پوری دنیا میں ہر چند منٹ کے وقفہ سے آپ ﷺ

کے نامِ مبارک کو اپنے نام کے ساتھ بلند کروا کر اپنی صفت قادر ہونے کا اظہار کر رہا ہے، اور آپ کی نبوت کو اپنی صفت حکمت سے قیامت تک جاری کر دیا، پھر آپ ﷺ کو اپنی صفت المنان (احسان کرنے والا) کے ذریعہ آخری وحی عطا کی، اور امت مسلمہ پر احسان کیا۔

حلیمہ سعدیہؓ کے رسول ﷺ کو قبول کرنے سے کن صفات الٰہی کو سمجھ سکتے ہیں؟

دیہات کی ساری عورتیں جو بچوں کو پرورش کی خاطر لیجانے کے لئے مکہ مکرمہ آئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم دیکھ کر نہیں لیا، آخر میں دائی حلیمہ سعدیہؓ کی سواری انتہائی کمزور قافلہ کے پیچھے رہنے والی دیر سے آئی تھی اور مجبوری کی شکل میں شوہر کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کو لے لیا، جیسے ہی وہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو لیا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قادر سے ان کی سواری میں طاقت ڈال دی اور وہ تیز تیز پورے قافلے سے آگے نکل گئی، پھر حلیمہ سعدیہؓ کے بدن میں خود ان کے بچے کے لئے دودھ کافی نہیں ہوتا تھا، جیسے حضرت محمد ﷺ ان کی گود میں آئے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت الرزاق کے ذریعہ خوب دودھ جاری کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ بچپن ہی سے اللہ کی صفت عدل کے نور میں تھے، آپ ﷺ ایک طرف ہی سے دودھ پیتے اور دوسری طرف دائی حلیمہ کے صاحبزادے کے لئے چھوڑ دیتے۔

جب گھر پہنچے تو دائی حلیمہ کی بکریوں کو چارہ نہ ملنے کی وجہ سے وہ بہت کمزور اور دبلی پتلی ہوگئی تھیں اور دودھ نہیں دیتی تھیں، جس جگہ چرتیں وہاں چارہ کم اُگتا تھا، رسول اللہ ﷺ کا ان کے گھر جانے کے بعد اللہ کی صفت الرزاق سے چارہ بھی خوب اُگنے لگا اور بکریاں تندرست ہوگئیں اور ان کے تھن دودھ سے بھر گئے، دوسرے لوگ بھی حلیمہ سعدیہؓ کی بکریوں کے چرنے کی جگہ اپنی بکریوں کو لا کر چھوڑنے لگے۔

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی برکت سے کیسے اپنی صفت رزاقیت کا مظاہرہ کیا، آخر ہم رسول اللہ ﷺ کے امتی ہوتے ہوئے دنیا میں سب سے پیچھے کیوں ہیں۔

نبوت ملنے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بیت اللہ میں نصب کرنے کے لئے اللہ کی صفت عدل کی نقل کی اور مشرک سرداروں کو آپس میں لڑنے

سے بچایا اور انصاف کے ساتھ اس مسئلہ کو سلجھایا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بچپن میں کس صفت کے ذریعہ بُرائی سے حفاظت فرمائی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا واقعہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی دیواریں بن رہی تھیں، بعض بچوں نے تہبند اتار کر کندھوں پر رکھ لیا اور پھر پتھر ڈھونے لگے، رسول اللہ ﷺ بھی بچوں کے ساتھ پتھر لانے لگے، چچا نے کہا: بچوں کو دیکھو اپنے اپنے تہبند کندھوں پر رکھ لئے ہیں اور آسانی سے بغیر کسی تکلیف کے پتھر لا رہے ہیں، محمد تم بھی ایسا ہی کرلو، اس سے کندھے نہیں دُکھیں گے، چچا کے کہنے پر ایسا کرنا ہی چاہا مگر اللہ تعالیٰ کی صفت حفیظ (حفاظت کرنے والا) کی حفاظت سے غیرت اور شرم وحیاء سے بیہوش ہوکر گر پڑے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچپن ہی سے طبیعت میں شرم وحیاء سے آراستہ کیا تھا۔

☆ مکہ مکرمہ میں عام رواج تھا کہ رات کو لوگ اپنے کاموں کی تھکان اتارنے کے لئے تفریحی پروگرام کے لئے داستان گوئی، بے حیائی کے قصے، کلچرل پروگرام، گانا بجانا اور ناچنا ہوتا تھا، لوگ رات میں دیر تک اس پروگرام میں مشغول رہتے تھے۔

آپ ﷺ کے ساتھی چرواہے نے بکریوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لے کر محمد بن عبداللہ کو بھی ان محفلوں میں شریک ہونے اور لطف اٹھانے کی ترغیب دی، ایک دن آپ اسی نیت سے آبادی کی طرف چل پڑے، راستہ میں کسی گھر سے گانے بجانے اور گیتوں کی آوازیں آرہی تھیں، جانا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حفیظ کے ذریعہ آپ پر غشی طاری کردی، اور آپ رات بھر بیہوشی کی نیند سوتے رہے، محفل میں نہ جاسکے، پھر دوسری مرتبہ بھی آپ کو چرواہے نے اسی طرح ترغیب دی اور دوسری مرتبہ بھی اللہ کی صفت حفیظ کے ذریعہ آپ پر نیند طاری ہوگئی اور سو گئے۔

اسی طرح اُس معاشرے میں جتنی برائیاں تھیں مثلاً شراب، جوا، جھوٹ، دھوکہ بازی، بے ایمانی، وعدہ خلافی، خیانت، فحش کلامی، عریانیت، زنا، قتل وخون اور لڑائی جھگڑوں سے

بچپن ہی سے اللہ کی صفت حفیظ ہی کے ذریعہ آپ کی حفاظت ہوتی رہی اور آپ ان اخلاقِ رذیلہ سے دور رہے، یہاں تک کہ آپ بچپن ہی سے بتوں اور شرکیہ کاموں سے بیزار تھے۔

شام کے تجارتی سفر میں بُصریٰ نامی شہر میں تجارتی قافلہ ایک گرجا گھر کے قریب سایہ دار درخت کے نیچے قیام کیا، وہاں کا راہب جس کا نام بحیرا تھا اس نے پورے قافلہ پر نظر ڈالی اور کچھ خاص بات محسوس کر کے اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی، اور محمد بن عبداللہ کے قریب جا کر انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا اور بحیرا کی نگاہیں آپ پر جم گئیں، اس نے کچھ سوالات پوچھنے سے پہلے لات وعزّیٰ بتوں کی قسم دینا چاہا، مگر محمدؐ نے صاف انکار کر دیا کہ مجھے بتوں سے نفرت ہے، میں کسی بت کی قسم نہیں کھاتا، پھر اس نے اللہ کی قسم دے کر کچھ سوالات کئے اور پیٹھ پر مہرِ نبوت دیکھا، اس طرح اللہ تعالیٰ بچپن ہی سے اپنی صفت حفیظ (حفاظت کرنے والا) کے ذریعہ محمدؐ بن عبداللہ کی برابر حفاظت فرماتا رہا۔

جب آپ ﷺ دس بارہ سال کے تھے، بوانہ نامی ایک بت تھا جس کی زیارت کے لئے قریش کے لوگ جاتے اور اس کے معتقد تھے، وہاں نذر ونیاز اور چڑھاوے چڑھاتے تھے، پورا دن اس کے پاس گذارا جاتا، پھر قربانی کرنے کے بعد سر منڈواتے تھے، ابوطالب بھی اپنے اہل وعیال اور خاندان کے ساتھ سال میں ایک مرتبہ بوانہ بت کے پاس دن بھر کے لئے جاتے تھے، خاندان کے لوگ اور پھوپھیاں محمد کو جو ابھی بچے تھے مجبور کرتیں کہ وہ بھی ساتھ چلیں اور نہ چلنے پر غصہ ہوتی تھیں، جس دن جانا ہوتا اس دن آپ صبح ہی سے غائب ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ زبردستی پکڑ کر لے گئے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حفیظ کے ذریعہ حفاظت فرمائی اور آپ غائب ہو گئے، سب لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو گئے، جب آپ شام کو نظر آئے تو سخت خوفزدہ تھے، پوچھنے پر کہا کہ ایک سفید رنگ کا آدمی بت کے قریب ٹھہر کر مجھے جانے سے روکتا رہا اور کہا محمد وہاں نہ جائیں، پھر اس کے بعد آپ کبھی وہاں نہیں گئے۔

غلام اور باندیاں اسلام قبول کرنے سے پہلے رسول اکرم ﷺ کی کن صفات سے متاثر تھے؟

ابتدائے اسلام کے زمانے میں ابھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی دعوت دے رہے تھے، اخلاق رذیلہ کو چھوڑنے کی ابھی تعلیم شروع ہی نہیں ہوئی تھی، صرف چند اعمال صالحہ کی تعلیم دی جا رہی تھی، بہت سے غلام اور باندیاں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ظاہر ہونے سے پہلے کے حالات اور آپ ﷺ کی امانت داری، دیانت داری، ظلم و زیادتی کے خلاف انصاف کرنا، وعدہ کی پابندی، ایثار وقربانی، غریبوں اور یتیموں کی ہمدردی، پریشان حالوں کی مدد، صادق وامین جیسی صفات سنتے اور دیکھتے تھے۔

چنانچہ حضرت زید بن حارثہؓ جو غلام بن کر آئے تھے، ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنانا اور ان کے ساتھ اولاد جیسا سلوک کرنا، اور انہوں نے باپ اور چچا کے ساتھ واپس جانے سے انکار کیا، یہ سب حالات سے واقف تھے، پھر ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ محمدؐ بن عبداللہ کے پاس کوئی سیاسی طاقت نہیں، طاقتور لوگ نہیں، باوجود اس کے جیسے ہی وہ ایمان کی دعوت سنتے جان گئے کہ یہ تمام اخلاقِ حسنہ اور صفات اکیلے اللہ ہی پر ایمان لانے ہی سے پیدا ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی ان صفات کی نقل کرنے کی صلاحیت دے کر ہمارے درمیان مبعوث فرمایا، انہوں نے ہر قسم کا ظلم برداشت کر کے ایمان کو گلے لگایا، وہ جان گئے کہ بت پرستی یعنی شرک ایک گندی چیز ہے، اس پر جمے رہنے سے اخلاق رذیلہ اور شیطانی صفات ہی پیدا ہوتے ہیں، ایمان کے بغیر صفات الٰہی پر انسان عمل نہیں کر سکتا، اللہ کی جماعت اور شیطان کی جماعت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو نبی بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی کن کن صفات کی نقل کرنا سکھایا؟

پہلی وحی نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ گھبرا کر گھر آئے اور حضرت خدیجہؓ سے **زَمِّلُوْنِیْ! زَمِّلُوْنِیْ!** یعنی مجھے چادر اڑھا دو! مجھے چادر اڑھا دو! پھر سارا واقعہ سنایا اور فرمایا

کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، اس پر حضرت حذیجہؓ نے تسلی دی اور ہمت افزائی کرتے ہوئے فرمایا: آپؐ سچ بولتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں، مجبور اور بے کسوں کو سہارا دیتے ہیں، مسافروں اور مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں، بھلا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ضائع نہیں کرے گا، آپ ﷺ گویا نبوت سے پہلے ہی سے اللہ کی صفت ربوبیت کی نقل میں انسانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے تھے، سارا مکہ آپ کو صادق و امین کے لقب سے پکارتا تھا، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفت رحم، صفت المنان (احسان کرنے والا)، صفت عدل اور صفت الودود کی نقل کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ مشرکینِ مکہ کو دعوتِ دین دے رہے تھے تو ان حالات میں ہمیں اللہ کی کونسی صفات سمجھ میں آسکتی ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے نبوت عطا ہوتے ہی دعوتِ ایمان دینا شروع کیا اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ ہی کا اکیلا معبود ہونا اور اللہ ہی کی عبادت و بندگی کی دعوت دینا شروع کیا تو اس زمانے میں بھی اور ہر زمانے میں شیطان انسانوں کو گمراہ کر کے اختلافات پیدا کرواتا رہا، مشرکین، کفار اور منافقین کا طریقہ یہ تھا اور اب بھی ہے کہ وہ دلیلوں کی فطری تعلیم کا جواب پتھروں سے، فساد اور قتل و غارت گری سے دیتے، اللہ کی صفت علم کی ہدایت کی نعمتوں کا جواب گالیوں یا ظلم وزیادتی سے چیخنا چلانا یا باطل نعروں سے یا اپنے باطل معبودوں اور بتوں کی بڑائی پکار کر دے رہے تھے، یہی طریقہ کار ان کا اس زمانے اور ہر زمانے میں دیکھنے میں آرہا ہے۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت والے علم کو پیش کرنے پر غیر ایمان والے لوگوں نے نبیوں اور ایمان والوں کا قتل عام کیا، انہیں وطن سے بے وطن کیا، کافر اور مشرک اپنی بستیوں اور شہروں میں ایسے انسانوں کا وجود برداشت نہیں کرتے جو باطل کے مقابلے اللہ کی صفت ہادی کے علم کا پرچار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں وحی نازل کر کے اپنی صفت علم کے ذریعہ غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح سمجھایا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب مکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے

صفت ہادی والا علم پیش کر رہے تھے تو مشرکین مکہ اس نور کی روشنی میں چلنا نہیں چاہتے تھے، ان کا عملی اعتبار سے یہ مطالبہ تھا کہ ہم اندھوں میں جو آنکھ والا ہے روشنی والا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے اور روشنی دِکھانے کے بجائے وہ بھی ہماری ہی طرح اندھا بنا رہے اور ہم میں رہتے ہوئے آنکھیں بند رکھے، گندگی و ناپاکی اور غلاظت کے جو مزے ہمیں مل رہے ہیں وہ خود بھی لیتا رہے اور ہمیں بھی لینے دے، زبان اللہ تعالیٰ کی سچی معرفت اور بڑائی بیان کرنے کے لئے نہ کھولے، ہمارے باپ دادا کے طریقوں کی مخالفت اور جاہلانہ رسموں کی مخالفت بھی نہ کرے اور ہمارے اعمال کو جہالت، بیوقوفی اور گمراہی والے نہ کہے، ورنہ ہم خود روشنی بتانے والے کی اور سچی بات کہنے والوں کی آنکھیں پھوڑ دیں گے اور زبان کاٹ دیں گے، تاکہ روشنی، بصارت، بینائی اور ضمیر کو زندہ کرنے والی محنت ہمارے معاشرے میں نہ ہونے پائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کی صفت صبور اور حلیم کو اختیار کر کے اپنے اپنے زمانوں میں عفوو درگذر سے کام لیا اور ان کو اللہ کی صفت ہدایت کی طرف برابر بلاتے رہے۔

رسول ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لیکر اللہ کی کونسی صفت کی نقل کی؟

ابوطالب کی معاشی حالت کمزور تھی، نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو مشورہ دیا کہ وہ ابوطالب کے ایک لڑکے کو اپنے پاس رکھ لیں اور خود آپ ﷺ حضرت علیؓ کی کفالت کریں گے، تاکہ حضرت ابوطالب کا معاشی بوجھ کم ہوجائے، اس طرح رسول ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی پرورش میں لیکر تربیت بھی کی اور اللہ کی صفت رب (پرورش کرنے والا) اور صفت رحمٰن (رحم کرنے والا) اور صفت علیم (جاننے والا) و ہادی (ہدایت دینے والا) کی نقل کی اور حضرت علیؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے انہیں علم کا دروازہ فرمایا۔

یہود نے رسول ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل ہی وہاں آپ ﷺ کا بہت چرچہ کیا، اس میں اللہ کی کونسی صفت سمجھ میں آتی ہے؟

یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات میں نشانیاں پڑھ کر پہلے ہی سے

مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو علم دیا تھا، اس کے ذریعہ وہ اپنی اولاد سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے تھے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و دانائی سے رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے ہی سے یہود کے ذریعہ اوس اور خزرج کے سامنے خوب پروپیگنڈا کروایا کہ آخری نبی آنے کے بعد ہم تم سب پر غالب آ جائیں گے، اس طرح اوس وخزرج کو ان کے پروپیگنڈے کی وجہ سے اپنی صفت ہادی سے ہدایت دے کر ہوشیار کروا دیا، اور دشمن ہی کو آپ کی شہرت کا ذریعہ بنا دیا۔

مشرکین مکہ کا بھی یہی حال رہا، رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی نبوت کا اعلان کیا تو آپ کو سارے عرب میں سفر کرنے کی ضرورت نہیں پڑی، حج وعمرہ اور زیارتِ کعبہ کے لئے آنے والوں کے سامنے اللہ کی حکمت دیکھئے کہ مشرکین خود آپ کی مخالفت میں ہر ایک قافلہ سے ملتے اور رسول اللہ ﷺ کا تعارف کروا کر ان سے دور رہنے کی تاکید کرتے تھے، اس طرح اللہ کی حکمت و دانائی سے پورے عرب میں رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے کا چرچہ ہو گیا اور بہت سے لوگ تحقیق کے لئے مکہ آنے لگے، بغیر سفر کے رسول اللہ ﷺ اپنے مقام سے دعوت دینے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہؓ پر صفت رحمت کا اظہار کیسے کیا؟ اور بچوں کے انتقال پر کیا فرمایا؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عبدیت و بندگی پر اپنی صفت الودود (مہربانی کرنے والا، محبوب رکھنے والا) کو دنیا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر کرنے کے لئے اپنی صفت السلام سے سلامتی اور صفت الوہاب (بہت زیادہ عطا وبخشش دینے والا) سے جنت میں ہیرے جواہرات اور یاقوت سے مینا کاری کے گھر کی بشارت دی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ کے پیغامِ الٰہی کو اور خود حضرت جبرئیلؑ کا سلام حضرت خدیجہؓ کو سنایا، اس پر حضرت خدیجہؓ کا اللہ کی صفت ہدایت کے ذریعہ اللہ کی معرفت و پہچان دیکھئے کہ انہوں نے کہا: اللہ رب العزت تو بذاتِ خود السلام ہے، اس لئے

سلام لانے والے جبرئیل پر اور اے اللہ کے رسولؐ! آپ پر بھی سلامتی ہو، اللہ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

غور کیجئے! حضرت خدیجہؓ نے اللہ جل شانہ کے سلام کے جواب میں وعلیہ السلام نہیں فرمایا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بھرپور معرفت رکھتی تھیں اور کہا سلامتی تو دراصل اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے، وہی سلامتی کا منبع اور خزانہ ہے۔

وہ جس مکان میں مکہ میں رہتی تھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت المنان (احسان کرنے والا، نوازنے والا) اور الرؤوف (مہربانی وشفقت کرنے والا) اور البرؑ، اللطیف (لطف و کرم کرنے والا) کے ذریعہ دنیا میں اس گھر کو مسجد بنانے کی توفیق عطا فرمائی۔

جب حضرت خدیجہؓ اور حضور ﷺ کی نرینہ اولاد کا انتقال ہوگیا آپؓ غمگین رہنے لگیں، تو رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کا حال دیکھ کر فرمایا: میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے بچوں کو جو جنت میں کھیل رہے ہیں دکھادے، اس پر آپؓ نے عرض کیا: مجھے آپ کی بات پر پورا ایمان ہے، میں دیکھنا نہیں چاہتی، رشتہ داروں نے کہا کہ دیکھ لیتیں تو اچھا ہوتا، تو آپؓ نے اللہ کی صفت ہادی کے نور کی روشنی میں فرمایا: اگر میں دنیا ہی میں جنت دیکھ لیتی تو پھر ایمان بالغیب کہاں رہتا؟!

ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ اور حضرت مصعبؓ کے ذریعہ مدینہ میں دعوتِ ایمان سے اللہ کی کونسی صفات ہم سمجھ سکتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے پہلے جب حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ بھیجے گئے، تو اوس وخزرج کے بہت سے خاندان اللہ کی صفت ہادی کے ذریعہ ایمان میں داخل ہوتے گئے، اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کا نور پھیلتا گیا اور لوگ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مصعبؓ کو اپنی صفت ہادی کا نور مدینہ میں پھیلانے کا موقع عطا فرمایا، اور مکہ کے مسلمانوں کے لئے اپنی صفت السلام (سلامتی دینے والا) کے ذریعہ سلامتی کا راستہ اور مقام کا انتظام کردیا، حضرت

مصعبؓ کے مدینہ جانے سے پہلے مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کے لوگوں کو مکہ لاکر بیعت عقبہ سے اپنی صفت نصیر (مدد کرنے والا) اور صفت الرؤوف (مہربانی کرنے والا) اور صفت اللطیف (باریک نظر رکھنے والا) اور صفت الودود (محبت کرنے والا) کے ذریعہ اپنی صفت المؤمن (امن بخشنے والا، مصائب سے نجات دینے والا) کو ظاہر کرکے سلامتی اور امن کا مقام عطا فرمایا، اور انصار کے دلوں میں مہاجرین کی محبت ڈال کر اپنی صفت الودود (محبت کرنے والا) اور صفت الوھاب (عطاو بخشش دینے والا) کا اظہار فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ میں ہم اللہ کی کن صفات کو سمجھ سکتے ہیں؟

مشرکین مکہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اسلامی دعوت کو پھیلنے سے روکنے کے لئے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو قتل کر دیا جائے، اور تمام قبائل کے ایک ایک نوجوان کو ان پر حملہ میں حصہ لینا ہوگا تاکہ بنو ہاشم کسی سے بدلہ نہ لے سکیں، ان کا یہ منصوبہ اللہ کی تقدیر کے خلاف تھا۔

ہجرت کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اطراف نوجوانوں کو ہتھیار سے لیس کرکے بٹھادیا گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات الحفیظ والحافظ (حفاظ کرنے والا، نگہبان، بچانے والا) کے نزول کی برکت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نیند کا غلبہ دے کر پوری حفاظت وعافیت کے ساتھ بچالیا۔

غارِ ثور میں اللہ نے اپنی صفت الحفیظ (حفاظت کرنے والا) کے ذریعہ حفاظت فرمائی، جبکہ تین دن تک آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ چھپے رہے، باوجود وہاں پر دشمن کے پہنچنے کے اللہ نے ان سے بچالیا اور مدینہ کے راستوں سے بحفاظت اپنی صفت نصیر (مدد کرنے والا) کے ذریعہ مدد فرمائی اور صحیح سلامت مدینہ پہنچادیا، اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ نافع اور ضار تو بس وہی ہے، اس کی مشیت ومرضی کے بغیر کوئی کسی کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اللہ نے اپنی صفت المدبّر (تدبیر وانتظام کرنے والا) کو ظاہر کرکے بتلایا کہ وہ تو صرف اللہ ہی ہے، اے بیوقوفو! تم اپنی تدبیروں میں اللہ کی مرضی کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتے، مشرکینِ مکہ بے بس ہوگئے وہ اپنی تدبیروں میں کامیاب نہ ہوسکے۔

درمیانِ سفر بنوخزاعہ کی ایک عورت حضرت امّ معبدؓ کی کمزور ونا تواں بکری سے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رزاقیت ظاہر کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ کے طور پر تھنوں اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی: یا اللہ! اس عورت کی بکریوں میں برکت عطا فرما، پھر آپ ﷺ نے اللہ کا نام لیکر بکری کا دودھ دوہنا شروع کیا، حضور اکرم ﷺ ایک بڑے برتن میں دودھ دوہتے چلے گئے اور برتن بھر گیا، پہلے ام معبدؓ کو پلایا، پھر آپ ﷺ کے تینوں ساتھیوں نے سیر ہوکر پیا، پھر اخیر میں خود آپ ﷺ نے نوش فرمایا، پھر کچھ بچا کر ام معبدؓ کے شوہر کے لئے بھی دے گئے، اس طرح اللہ نے رزق کا انتظام فرمادیا۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں مہاجرین اور انصار کی مواخاۃ کرائی گئی، ہم اس میں اللہ کی کونسی صفات سمجھ سکتے ہیں؟

صحابہ کرامؓ کے ہجرتِ مدینہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی صفت حکمت (ہر کام دانائی سے کرنے والا) کی نقل میں مہاجرین وانصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا کر مواخاۃ کروایا جس کی وجہ سے انصار صحابہؓ نے اللہ تعالیٰ کی صفت الودود (محبت کرنے والا) کی نقل میں ان کو اپنے حقیقی بھائیوں کی طرح سہارا دیا، یہ سہارا مکہ سے لُٹ پِٹ کر نئے مقام پر آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت السلام کے ذریعہ عطا فرمایا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رزاقیت کا اظہار بھی انصار کے دلوں میں ڈال کر کھیت، باغات، نخلستان، زمینات، مکانات، مالِ تجارت یہاں تک کہ نقد مال میں بھی حصہ کا پیشکش کروادیا۔

حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ کو جو مدینہ کے بے حد دولت مند انسان تھے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بھائی بنادیا جو مکہ میں مالدار رہ چکے تھے، وہ اپنے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اپنے گھر لے گئے اور مال، دولت، کھیت، باغات، مکانات اور مالِ تجارت سب میں آدھا آدھا حصہ کرنے کا اللہ کی صفات الودود (محبت کرنے والا) اور الرؤوف (نرمی وشفقت کرنے والا) کی نقل میں پیشکش کیا، یہی نہیں بلکہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے کر نکاح کا بھی پیشکش کیا، مگر صحابہ کرامؓ خودداری اور اللہ کی

صفت رب (پالنے والا) پر یقین رکھ کر تجارت، زراعت اور مزدوری کر کے اللہ کی صفت رزاقیت سے رزق حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔

قوموں کا عروج و زوال ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی صفت المنان (احسان کرنے والا) کی نقل کرنے سے ہوتی ہے، انصارؓ نے کسی مہاجرؓ کو بھیک یا چندہ اکٹھا کر کے نہیں دیا اور نہ ہی کسی کو مجبور رہنے دیا، کسی سے یہ نہیں کہا گیا کہ نئے مقام پر آئے ہو، خوب عبادت اور خوب دعا کرو، تمہاری پرورش کا انتظام اللہ تعالیٰ کر دے گا، بلکہ اِس امت کے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے صحابہ کرامؓ کے یہ واقعات بہت بڑا اسبق اور عبرت ہیں، مسلمانوں کو بھیک کا عادی بنانے کے بجائے روزگار سے لگانا بہترین طریقہ کار ہے۔

نفس کی تربیت وتزکیہ نہ ہونے کی وجہ سے بعد کے زمانوں میں مسلمانوں کو جب چندہ اور امداد ملتی ہے تو وہ محنت کرنے سے جی چُراتے ہیں اور خاص طور پر اسلام قبول کرنے والوں کو دیکھا گیا کہ وہ زیادہ تر اسلام قبول کرنے کا ہر بار اظہار کر کے مدد طلب کرتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اتنی زبردست پیشکش کے باوجود مکہ میں اچھے مقام و مرتبہ پر رہنے کے باوجود حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ سے کہا کہ مجھے یہ سب نہیں چاہئے، آپ مجھے بازار کا راستہ بتلائیے، پھر گھی اور پنیر کی تجارت سے مال کمایا اور کچھ دنوں بعد نکاح کیا، مہر میں کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا دیا اور پھر بعد میں دوسرا نکاح کیا تو بیوی کو تیس ہزار درہم مہر ادا کیا، آپؓ نے ایک مرتبہ پانچ سو اونٹوں پر لدا ہوا مال مدینہ میں راہِ خدا میں دیا۔

غزوۂ بدر کے واقعہ میں ہم اللہ تعالیٰ کی کن کن صفات کو سمجھ سکتے ہیں؟

غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کو اپنی تعداد، ہتھیار اور قوت و طاقت پر پورا بھروسہ تھا، وہ اسلام کو پوری طرح مٹانے کے لئے؛ ابوسفیان کا قافلہ مکہ حفاظت سے پہنچ جانے کی خبر کے باوجود مدینہ پر حملے کے سفر کو جاری رکھا، اپنے کو قوی اور مسلمانوں کو کمزور سمجھ رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب وہ کسی کی موت کا وقت لاتا ہے تو وہ خود بخود اپنی قتل گاہ پر آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسلام کو طاقت دینے کے لئے مشرکین مکہ کے سرکش سرداروں کو کیفر

کردار تک پہنچانا چاہتا تھا، چنانچہ مشرکین کی فوج کی کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف اپنی صفت النصیر (مدد کرنے والا) کا اظہار کیا اور مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کو نازل کر کے صحابہ کرامؓ کی مدد فرمائی اور شدید العقاب (سخت سزا دینے والا) کے ذریعہ اپنی صفت قہار (سب کو دبا کر اپنے قابو میں رکھنے والا) کو ظاہر فرمایا، اور مشرکین مکہ کو زبردست شکست دی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کو صفت الممیت (مارنے والا) کے ذریعہ قتل کروادیا، اور انسان کو یہ تعلیم دی کہ نافع اور ضار (نفع اور نقصان پہنچانے والا) اللہ تعالیٰ ہی ہے، چاہے تم کتنے ہی ہتھیار، طاقت اور فوج رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات الحافظ و الحفیظ (حفاظت ونگہبانی کرنے والا) کے ذریعہ صحابہؓ اور اسلام کی حفاظت فرمائی اور صفت القوی (جس کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا) کا کھلا اظہار فرمایا۔

غزوۂ بدر کے جو قیدی فدیہ نہ دے سکے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ اور اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی کونسی صفت سمجھ میں آتی ہے؟

غزوۂ بدر کے قیدیوں میں چند قیدی غریب تھے، فدیہ نہیں دے سکتے تھے، مگر ان کو لکھنا پڑھنا آتا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی صفت علیم کو حاصل کرنے کے لئے انسانوں میں علم سیکھنے اور اس کی اشاعت کے لئے ان قیدیوں پر یہ ذمہ داری رکھی کہ وہ فدیہ کے بجائے ایک ایک قیدی دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے، جس کی وجہ سے آئندہ چل کر مدینہ میں اللہ کی صفت علیم کا بہت سارے لوگوں میں اظہار ہونے لگا، اور بعد میں تابعینؒ نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو حاصل کرنا شروع کردیا۔

انسان اور جانور میں سب سے بڑا فرق علم ہی کا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی صفت علم ہی سکھا کر حضرت آدمؑ کو فرشتوں پر فضیلت دی، گویا حضرت آدمؑ کی اولاد کو بھی ذکر اور تسبیح کے ساتھ ساتھ علم حاصل کرنے کا اشارہ دیا۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کامیابی کے بعد شکست اور غزوۂ حنین میں ناکامی کے بعد کامیابی ملنے پر ہم اللہ کی کن صفات کو سمجھ سکتے ہیں؟

غزوۂ احد میں صحابہ کرامؓ غزوۂ بدر کی مشرک فوج کی زیادہ تعداد ہتھیاروں سے لیس ایک طاقتور، سرکش اور خونخوار انسانوں کے مقابلے صحابہؓ کی تعداد کم ہونے، ہتھیار اور سواریوں کی کمی کے باوجود فتح حاصل ہوئی تھی، جنگِ بدر کے مقابلے جنگ احد میں وہ مشرکین کے مقابلے ہتھیار اور سواریوں اور جنگ بدر سے کچھ زیادہ تعداد ہونے پر اپنی طاقت وقوت اور بہادری پر بھروسہ کسی قدر زیادہ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی کسی قدر کمی پیدا ہوگئی اور دشمن کی فوج کے بزدل و کمزور ہونے کا تصور اور اپنی بدر کی کامیابی پر خود اعتمادی زیادہ ہوگئی تھی، کہ ہم کم تعداد میں ہونے کے باوجود مشرکین کو شکست دے چکے ہیں، اس کی وجہ سے وہ غرور وتکبر میں مبتلا بھی ہو سکتے تھے، عبدیت و بندگی کے مقابلے خود اعتمادی کی بیماری کا شکار بھی ہو سکتے تھے، اسلام اور کفر کی لڑائی میں مال غنیمت کی حرص اور توجہ زیادہ پیدا ہو سکتی تھی، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کو اہمیت کم اور دنیا کے مال ومتاع کی اہمیت کے شکار ہو سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی فوراً اصلاح اور تربیت کے لئے ابتدائی کامیابی کو ناکامی میں تبدیل کر دیا، اور اللہ ہی کے نافع وضار، کامیابی و ناکامی دینے والا ہونے کا احساس پیدا کروادیا اور یہ تعلیم دی کہ الحفیظ اور الحافظ (حفاظت کرنے والا، نگہبان، بچانے والا) تو صرف اللہ واحد ہے، تمہارے ہتھیار اور انسانوں کی کمی و زیادتی' تمہاری حفاظت نہیں کر سکتی، دنیا کے مال ومتاع کی طرف دوڑنے مشرکوں کو نیچا دکھانے کی فکر کرنے کے بجائے مال ومتاع کو اہمیت نہ دو، اپنی تعداد اور طاقت پر نظر نہ رکھو، اور رزاق (رزق اور نشو ونما کا سامان دینے والا) اللہ ہی ہے، اس پر توکل اور اعتماد کرو، اسی پر نظر رکھو، مالِ غنیمت کے لالچ میں شرک کو زندہ مت رکھو، وہ الوھاب (بہت زیادہ عطا کرنے والا) ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا بہت بڑا گناہ اور ایمان کے خلاف ہے، اس گناہ پر توبہ کرو، وہی اللہ توّاب ہے، توبہ قبول کر کے گناہ معاف کرنے والا ہے، وہ غفور اور عفو

(درگذر کرنے والا) ہے، سزا دینے کے بجائے غلطیوں کو معاف کرنے والا ہے۔

اسی طرح غزوۂ حنین میں مکہ فتح ہونے کے بعد فوج میں دس ہزار کی جگہ ۱۲ ہزار صحابہ کرامؓ شامل تھے، نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں اور کچھ صحابہ نے یہ خیال کیا کہ ہمیں قطعی شکست نہیں ہوسکتی، ہم تعداد، ہتھیار اور قوت میں بہت زیادہ ہیں، چنانچہ جنگ شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شروع میں غلبہ دے دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی فوج ان کی تیر اندازی اور بھالوں کی بھرمار سے تتر بتر ہوگئی اور بکھر کر بھاگنے لگی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت نصیر (مدد کرنے والا) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور صفت حفیظ سے حفاظت فرمائی اور یہ تعلیم دی کہ نافع وضار اللہ تعالیٰ ہے، قوت کے زیادہ ہونے، تعداد کے زیادہ ہونے، ہتھیار کے زیادہ ہونے سے کامیابی نہیں مل سکتی، بھروسہ اور اعتماد اللہ پر ہو، ایمان والے اسباب پر نظر نہیں رکھتے بلکہ مسبِّبُ الاسباب اللہ پر نظر رکھتے ہیں، غیر ایمان والے اسباب پر نظر رکھتے ہیں، غزوۂ بدر میں غزوۂ خندق میں مشرکین کو اپنے اسباب اور تعداد پر یقین تھا، وہ کامیاب نہیں ہوسکے، اس لئے کہ نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے دور میں جنگ کے دوران حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالارِ اعظم کے عہدہ سے معزول کر دیا، اس لئے کہ لوگ فتوحات کو ان کی کوشش کی وجہ سے سمجھنے لگے تھے، حالانکہ کامیابی وناکامی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

حضرت زیدؓ کی گمشدگی کے واقعہ میں ہم اللہ کی کون کونسی صفات سمجھ سکتے ہیں؟

حضرت زید بن حارثہؓ ایک سردار کے بیٹے اور مشرک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کی ماں اپنے میکے جارہی تھی، راستے میں قافلہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور زید بن حارثہؓ کو چُرا کر لے گئے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کر دیا، دنیا کا مکمل نظام اللہ تعالیٰ کے علمِ تقدیر پر قائم ہے اور یہ حالات حضرت زید بن حارثہؓ پر تقدیر کی بنیاد پر آئے، مگر انسان ان حالات کے ظاہر اور باطن اور اللہ کی حکمت کو پہلے نہیں سمجھ سکتا، اللہ تعالیٰ اللطیف (باریک بین) ہیں، اس کا لطف وکرم اور عطا واحسان دیکھئے کہ اللہ ہی کی صفت البرُّ اور

المنان (احسان و بھلائی کرنے والا) کے ذریعہ ان کو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حضرت حکیم بن حزامؓ نے غلام کی حیثیت سے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کو نذر کر دیا۔

حضرت زیدؓ جو ابھی آٹھ سال کے لڑکے تھے تمام غلاموں میں غیر معمولی اخلاق و ادب کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے حضرت زیدؓ کو اپنی خدمت کے لئے مانگ لیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے لئے دین کی سمجھ کے راستے آسان کر دیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفت الودود (محبت کرنے والا) کا نور جب حضرت زیدؓ پر پڑا تو ان کے دل میں باپ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی محبت پیدا ہوگئی اور وہ والد اور چچا کے ساتھ نہ جا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کی خواہش کا اظہار کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا متبنّٰی یعنی منہ بولا بیٹا بنا لیا، یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان تھا، اس کے بعد حضرت زیدؓ زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد پکارے جانے لگے، اور جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو غلاموں میں حضرت زیدؓ نے اللہ تعالیٰ کی صفت الھادی (ہدایت دینے والا) کے نور سے فوراً ایمان قبول کر لیا اور اللہ کی صفات المنان اور البرُّ کے ذریعہ اول درجہ کے صحابہؓ میں شامل ہو گئے۔

مدینہ میں غزوات میں شریک ہونے کا موقع ملا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے غیاب میں مدینہ میں حاکم بنایا اور غزوات میں بڑے بڑے صحابہؓ پر سرپرستی عطا کی، پھر اللہ تعالیٰ کی صفات البرُّ اور المنان (بہت مہربان، زبردست احسان کرنے والا، خوب نوازش کرنے والا) کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم اور قبیلہ قریش کی شریف زادی حضرت زینبؓ سے جو حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت امیمہؓ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں ان سے نکاح کروایا، وہ پہلے حضرت زیدؓ جو رسول ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے ان سے نکاح سے انکار کیا، پھر اللہ کے حکم کے آگے راضی ہوگئیں، مگر ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ میں احساسِ برتری کی وجہ سے حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امّ ایمنؓ کے بارے میں اعلان کیا

جنہوں نے حضور ﷺ کو بچپن سے ماں کے انتقال کے بعد ماں کی حیثیت سے پالا کہ "کون ہے جو جنتی عورت امّ ایمنؓ سے نکاح کرے؟" یہ حبشی النسل تھیں، موٹے ہونٹ والی، اس پر حضرت زیدؓ نے فوراً آگے بڑھ کر ان سے نکاح کیا، ان سے حضرت زیدؓ کو اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے، جنہیں رسول اللہ ﷺ اللہ کی صفت الودود (محبت کرنے والا) کی نقل میں بہت پیار کرتے تھے، ایک مانڈی پر حضرت حسینؓ اور دوسری مانڈی پر حضرت اسامہؓ کو بٹھاتے تھے، اور اپنی وفات سے قبل حضرت اسامہ بن زیدؓ کو والد کے شہید ہو جانے کے بعد اللہ کی صفت ہادی کی ہدایت میں مسیلمہ کذّاب کو سبق سکھانے کے لئے جو فوج تیار کی تھی اس کا امیر بنایا تھا، یہ سب حالات اللہ تعالیٰ کی صفت المنان اور البرُّ کے لطف وکرم اور مہربانی کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے سورۂ احزاب میں حضرت زیدؓ کا نام ذکر کیا اور ان پر اپنا اور رسول اللہ ﷺ کے احسان کا تذکرہ کیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کے واقعہ میں ہمیں کونسی صفاتِ الٰہی نظر آتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کا پیغام دیا تو حسب نسب کی وجہ سے حضرت زینبؓ نے پہلے انکار کیا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر صفت صبور کی نقل کرتے ہوئے فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان کر اپنے نفس کے خلاف چلیں اور اللہ تعالیٰ کی عبدیت و بندگی کا زبردست ثبوت دیا، پھر اللہ تعالیٰ کی صفت اللطیف (لطف وکرم کرنے والا) کی مہربانی یہ ہوئی کہ طلاق کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی صفت البرُّ اور المنان (مہربانی واحسان اور نوازش کرنے والا، انعامات دینے والا) کے ذریعہ ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر کر دیا، وہ فخر سے کہتی تھیں کہ سب کا نکاح زمین پر ہوا اور میرا نکاح اللہ نے آسمان پر کر دیا، پھر وہ صحابیہ کے علاوہ اُمّ المؤمنین مسلمانوں کی ماں بن گئیں، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا و آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی ساتھی بن گئیں۔

غور کیجئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وغلامی پر اللہ تعالیٰ اپنی صفات البرُّ اور المنان سے کیسے احسانات کی بارش کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے بعد ان ہی کے ولیمہ کے دن اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں پر پردہ لازم کردیا، گویا پردے کے احکام ان کے ولیمہ کی برکت سے ملے، وہ رسول اللہ ﷺ کو ضیافت میں شہد پیش کرتی تھیں، اسی شہد کے واقعہ سے مسلمانوں کو اللہ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے سے منع کیا گیا، اور راز کو راز رکھنے کے احکام دئے گئے۔

عبداللہ بن اُبی کی موت پر رسول ﷺ نے اپنا کُرتا دے کر اللہ تعالیٰ کی کن صفات کی نقل کی؟

غزوۂ بدر میں حضرت عباسؓ گرفتار ہوئے، ان کا قد اونچا پورا یعنی لمبا تھا، ان کا کُرتا تقریباً پھٹ چکا تھا، عبداللہ بن اُبی منافق جو مدینہ میں منافقوں کا سردار تھا وہ بھی حضرت عباسؓ کی طرح لمبا تھا، اس نے اپنا کُرتا حضرت عباسؓ کو دیا، جب عبداللہ بن اُبی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ جو صحابی تھے رسول اللہ ﷺ کا کُرتا مانگنے آئے، آپ ﷺ نے اللہ کی صفت البرُّ اور المنان (احسان ومہربانی کرنے والا) کی نقل کرتے ہوئے اپنا کُرتا اتار کر اس منافق کے بیٹے کو دے دیا اور اس کے احسان کا بدلہ ادا کردیا۔

تیمّم کی اجازت سے ایمان والوں پر اللہ کی کونسی صفت کا اظہار ہورہا ہے؟

ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا، بہت دیر تک اس ہار کی تلاش ہوتی رہی، وہ نہیں ملا، قافلہ کو روک دیا گیا، نماز کا وقت ختم ہورہا تھا، اس جگہ پانی کی کمی تھی، اللہ تعالیٰ نے تیمّم کے احکام اسی وقت نازل کرکے غسل اور وضو کے لئے پانی نہ ملنے پر تیمّم کرنے کا طریقہ بتلا کر ایمان والوں پر اپنی صفت المنّان (احسان کرنے والا) اور الرؤوف (مہربانی، نرمی، شفقت کرنے والا) کا اظہار فرمایا، جیسے ہی لوگ نماز سے فارغ ہوئے ہار اونٹ کے نیچے ہی مل گیا، ورنہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ پر غصہ ہورہے تھے کہ غفلت سے سارے قافلے کو پریشان کردیا، لیکن پھر بعد میں تیمّم کے احکام ملنا ان کے ہار کی برکت فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صفت حسیب کا غلبہ کیسا تھا؟

بدر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکرِ اسلام کی صفوں کو درست کررہے

تھے، ایک بیری کی چھڑی سے سب کو برابر کر رہے تھے، آپ ﷺ ایک صحابی سواد بن غزیہؓ کے پاس آئے، وہ صف سے آگے بڑھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان کی پیٹھ میں چھڑی لگائی تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی، آپ اس کا بدلہ دیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیٹھ کھول دی اور فرمایا: بدلہ لے لو! حضرت سواد آپ ﷺ سے لپٹ گئے اور پیٹھ کو چوم لیا، حضور ﷺ نے پوچھا: سواد ایسا تم نے کیوں کیا؟ کہنے لگے: حضور ﷺ! آپ دیکھ رہے ہیں جنگ ہونے والی ہے، ممکن ہے کہ میں مارا جاؤں، میں چاہتا ہوں کہ آخری مرتبہ آپ سے مل لوں، میری جلد آپ کی جلد سے مَس ہو جائے، اس بات پر نبی کریم ﷺ نے انہیں دعا دی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری ایام میں اعلان کیا کہ کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو یا کسی پر زیادتی ہوئی ہو تو بدلہ لے لے، تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ فلاں موقع پر آپ نے مجھے چھڑی پیٹھ کو چبھوئی تھی، نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: بدلہ لے لو! تو انہوں نے کہا کہ میری پیٹھ پر کپڑا نہیں تھا، حضور اکرم ﷺ نے اپنا کرتا اٹھایا، تو وہ پیٹھ کو لپٹ کر مہر نبوت کو بوسہ لیکر لپٹ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے سخت بخار میں مبتلا تھے، سر میں شدید درد تھا، تکلیف کی وجہ سے سر کو کپڑے سے کس کر باندھ رکھا تھا، ایسی شدید تکلیف اور بیماری میں آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ سے فرمایا: مجھے مسجد میں لے چلو! اور لوگوں کو جمع کرو، مسجد میں آپ ﷺ نے خطبہ دیا، جس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا: لوگو! میں تم سے بہت جلد رخصت ہونے والا ہوں، جس کسی کی پیٹھ پر بھی میں نے کبھی کوڑا مارا ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے، میری پیٹھ حاضر ہے، میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے دنیا ہی میں بدلہ لے لے، اگر میں نے کسی کو ناحق بُرا بھلا کہا ہو تو میں حاضر ہوں وہ بھی یہیں مجھ سے اپنا بدلہ لے لے، اور جس شخص کا میرے ذمہ کوئی بھی مال ہو تو وہ مجھ سے وصول کر لے اور یہ خوف نہ کرے کہ میں بعد میں اس کی کسر نکالوں گا، یہ میری شان کے منافی ہے، تم میں

سب سے زیادہ مجھے وہ آدمی پیارا ہے جو مجھ سے اپنا حق دنیا ہی میں وصول کر لے یا پھر خوشی خوشی معاف کر دے تا کہ میں اپنے رب کے حضور خوشی خوشی حاضر ہوں۔

لوگو! تم میں سے جس کسی نے بھی کسی کا حق دبا رکھا ہو تو وہ اس کا حق لوٹا دے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے، ورنہ پھر آخرت کی رسوائی کے لئے تیار رہے جہاں کی رسوائی دنیا کی رسوائی سے کہیں زیادہ سخت اور عبرت ناک ہوگی۔

صحابہ کرامؓ پر اللہ تعالیٰ کی صفت الحسیب کے احساس کا اثر

صحابہ کرامؓ زندگی کے ہر شعبے میں مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس حساب دینے کا بے انتہا احساس رکھتے تھے اور وہ اللہ کی صفت الحسیب' اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دینے سے گھبراتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے صدقہ کے اونٹ تقسیم کرنے کا مسجد میں جمعہ کے دن اعلان کیا اور اجازت لیکر آنے کو کہا، ایک شخص بغیر اجازت دربارِ خلافت میں آ گیا، حضرت ابوبکرؓ نے بطور سزا اس کی رسی سے اُسے مارا، جب اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس شخص کو پھر بلایا جسے آپ نے مارا تھا، وہ شخص ڈرتا ہوا آیا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں نے تمہیں جس رسی سے مارا تھا تم بھی اُسی رسی سے مجھے مار کر بدلہ لے لو، حضرت عمرؓ نے کہا: اے خلیفۃ الرسول! یہ ستم نہ کیجئے، آپ نے بے وجہ تو نہیں مارا تھا، حکم کی خلاف ورزی کرنے پر سزا دی تھی، فرمایا: یہ صحیح ہے' مگر قیامت میں اس کا حساب ہوا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا؟

ملک شام فتح ہونے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے قاصد کو قیصر کے پاس بھیجا، آپؓ کی زوجہ محترمہ نے اُسی قاصد کے ذریعہ قیصر کی بیوی کے لئے عطر کا تحفہ بھیجا، قیصر کی بیوی نے عطر نکال کر ان شیشیوں میں قیمتی موتی بھر کر واپس تحفہ بھیجا، جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ نے ان موتیوں میں سے تھوڑے موتی اپنی بیوی کو دئے' باقی بیت المال میں جمع کروا دئے اور کہا کہ بے شک عطر تو تمہارا ہی تھا مگر جس آدمی کے ذریعہ بھیجا گیا وہ حکومت کا قاصد تھا، اس کے سفر وغیرہ کا خرچ بیت المال سے دیا گیا تھا، اس لئے ان

موتیوں پر سرکار کا حق زیادہ ہے اور تمہارا حق کم۔

اللہ کے پاس جواب دہی، اللہ کی صفت حسیب کا احساس دیکھئے کہ ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا، وہاں ان کو ایک درہم پڑا ہوا ملا، انہوں نے اس خیال سے کہ یہاں کیوں پڑا رہے' اٹھا کر حضرت عمرؓ کے ایک صاحبزادے کو دے دیا، حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اُسے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا: افسوس تم کو مدینہ میں آلِ عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہیں آیا؟ کیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو؟

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے قرض مانگا، انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا: میں بیت المال سے قرض نہ لوں گا، کیونکہ اگر ادائیگی سے پہلے مر گیا تو تم لوگ میرے ورثہ سے وصول نہ کرو گے، اور قرض میرے سر رہ جائے گا، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ایسے آدمی سے قرض لوں کہ اگر ادائیگی سے پہلے مر جاؤں تو وہ میرے ورثہ سے قرض وصول کر لے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفت الحسیب کا غلبہ واحساس۔

ایک مرتبہ سرکاری اونٹ گم ہوگئے، حضرت عمرؓ جو امیر المؤمنین ہوتے ہوئے سخت دھوپ، آگ برسانے والی گرمی کے باوجود اونٹوں کو ڈھونڈنے نکلے، اور ڈھونڈ کر واپس لے جا رہے تھے، گرمی کی وجہ سے چہرہ سرخ، جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا، حضرت علیؓ نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر کہا: امیر المؤمنین! ملازمین کو اونٹ کی تلاش میں بھیج دیتے، خود آپ نے کیوں تکلیف کی؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اے علی! قیامت کے روز تو اللہ تعالیٰ ملازمین سے نہیں' مجھ سے جواب طلب کرے گا' کہ عمر! تو نے کیوں ایسی غفلت کی کہ سرکاری اونٹ گم ہوگئے۔

ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کا کان سزا کے طور پر مروڑا تھا، پھر اللہ تعالیٰ کی صفت الحسیب کے مطابق آخرت میں جواب دہی وحساب کا احساس وغلبہ اور خوف ہوا تو پریشان ہو کر غلام سے فرمایا: تم مجھ سے اس کا بدلہ لے لو اور میرا کان مروڑو، اس نے حکم کی

تعمیل میں آپ کا کان ہاتھ میں لے لیا، آپ نے فرمایا: یوں نہیں! زور سے مروڑو، چونکہ میں نے زور سے مروڑا تھا، اس لئے دنیا میں بدلہ ادا ہو جانا آخرت کے قصاص سے بہتر ہے۔

ایک بار امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں بحرین سے مشک آیا، آپ نے فرمایا کہ کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں تقسیم کردے، آپ کی اہلیہ حضرت عاتکہؓ نے کہا: میں تول دوں گی، آپ نے کچھ دیر سوچ کر فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ تم اس کو اپنے ہاتھوں سے تولنے کے لئے ترازو کے پلڑے میں رکھو اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیر لو، اور اتنی مقدار کی زیادتی مجھے ملے۔

☆ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو انہوں نے چیف جسٹس کا عہدہ دینا چاہا، حضرت عبداللہؓ نے معذرت چاہی، جب ان سے وجہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کسی معاملے میں غلط فیصلہ کردوں تو اللہ کے پاس پکڑا جاؤں گا، اس لئے میں یہ ذمہ داری قبول نہیں کرسکتا۔

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو حضرت عمرؓ کے بعد امیر المؤمنین بنانے کی رائے آئی تو آپؓ نے کہا: مجھے اوندھا لٹا کر ذبح بھی کردیا جائے تو میں یہ ذمہ اری قبول نہیں کرسکتا۔

اسی طرح ایک مرتبہ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مشک تولا جارہا تھا، انہوں نے اپنی ناک بند کرلی، اور ارشاد فرمایا: مشک کا نفع خوشبو سونگھنا ہی ہے، غور کیجئے اللہ تعالیٰ کی صفت الحسیب کے مطابق اللہ کے پاس جواب دہی اور حساب دینے کا کیسا احساس ہے۔

ایک مرتبہ عید کے موقع پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے بچوں کو کپڑے وغیرہ بنانے کے لئے بیت المال کے ذمہ دار کو درخواست دی کہ مجھے اتنا قرض اتنے مہینے کے لئے دیا جائے، بیت المال کے محافظ نے مال کو اللہ کی امانت جانتے ہوئے اُسی درخواست پر لکھا کہ امیر المؤمنین! پہلے آپ یہ گیارنٹی دیجئے کہ آپ اتنے دن زندہ رہیں گے، یہ سوال پڑھ کر عمر بن عبدالعزیزؒ خاموش ہوگئے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ پر کاروبار میں اللہ کی کونسی صفت کا غلبہ رہتا تھا؟

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، انہوں نے اپنے ملازمین کو حکم دے رکھا کہ اگر کسی کپڑے میں کوئی نقص ہوتو گاہک کو پہلے وہ نقص دکھادو اور اس کپڑے کی قیمت کم کردو۔

ایک مرتبہ وہ موجودنہیں تھے، ملازم نے نقص والا کپڑا اُسی قیمت پر نقص بتائے بغیر فروخت کردیا، امام صاحبؒ کو معلوم ہوا تو آپ نے گاہک کی تلاش کروائی، اس کے نہ ملنے پر آخرکار کپڑے کی قیمت خیرات کردی اوراس مال کوخود اپنے لئے نہیں رکھا۔

یہ سب کیفیات انسان میں ایمان لانے کے بعداللہ کی صفت الحسیب (حساب لینے والا) کے احساس سے پیدا ہوتی ہیں، ایمان لانے کے بعد مسلمان فریب اوردھوکہ نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت الصبور پر ایمان والوں کی نقل

حضرت اُمّ سُلیمؓ کی زندگی میں نکاح اور بیٹے کے انتقال پر ہم اللہ تعالیٰ کی کونسی صفات سمجھ سکتے ہیں؟

حضرت امّ سُلیمؓ کا پہلا نکاح مالک بن نضر سے ہوا تھا، ان سے ایک بیٹا حضرت انس بن مالکؓ تھے، جب مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر حضرت امّ سلیمؓ نے اللہ کی صفت ہادی کے نور سے اسلام قبول کیا تو اپنے بیٹے کو بھی اللہ کی صفت علیم کے نور کو سمجھانے لگی اور شوہر کو دعوتِ ایمان دیا، شوہر ان کے اس عمل پر جھگڑنے لگا اور بیٹے کو بے دین بنانے کی شکایت کی تو بیوی نے کہا کہ بے دین نہیں بنارہی ہوں، صحیح دین سکھارہی ہوں، اوران کے شوہر نے ایمان قبول کرنے سے اس لئے بھی انکار کیا کہ محمد (ﷺ) شراب سے منع کرتے ہیں، وہ آخرکار بیوی اور بچے کو چھوڑ کر شام چلا گیا اور وہاں کسی نے اسے قتل کردیا۔

حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوگئیں اور اپنے بیٹے انس بن مالکؓ کو صحابیٔ رسول بنانے کے لئے حکمت سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور تربیت کے لئے چھوڑ دیا اور خود اللہ کی صفت صبور کی نقل میں صبر کے ساتھ زندگی گذارنے لگیں، حضرت ام سلیمؓ رشتے

میں رسول اللہ ﷺ کی خالہ ہوتی تھیں۔

جب حضرت ابوطلحہؓ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور حضرت اُمّ سُلیمؓ کے سسرالی رشتہ دار تھے، ان کو نکاح کا پیغام دیا تو وہ انتہائی حلم (تحمل و بردباری) اور دانائی کے ساتھ ایمانی جذبہ کے تحت حضرت ابوطلحہؓ سے نکاح کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ تم مسلمان نہیں ہو اور پھر اللہ کی صفت ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہوئے یہ کہا کہ تم ایک زمین سے اُگنے والے درخت کی لکڑی یا مٹی کے بت کی پوجا کرتے ہو اور میں مسلمان ہوں، میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی، اس لئے تم سے نکاح نہیں کرسکتی، ہاں! اگر تم شرک سے توبہ کرلو اور اللہ ورسول پر ایمان لاؤ تو میں نکاح کرلوں گی، اور میرا مہر تمہارا ایمان قبول کرنا ہوگا، اس پر حضرت ابوطلحہؓ نے ایمان قبول کرکے ان سے نکاح کرلیا۔

نکاح کے بعد حضرت امّ سلیمؓ کو حضرت ابوطلحہؓ سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام ابوعمیرؓ تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے سے کھیلتے تھے، کچھ عرصہ بعد وہ لڑکا بیمار ہوکر انتقال کرگیا، اس وقت حضرت ابوطلحہؓ گھر پر نہیں تھے، آنے میں رات ہوگئی، حضرت ام سلیمؓ نے اللہ کی صفات صبور اور حلیم کی نقل میں صبر وتحمل اور بردباری سے یہ سوچا کہ اب رات ہوچکی ہے، ابوطلحہؓ تھک کر آئیں گے، بچے کی تدفین میں بھوکے پیاسے رہیں گے، دوڑ دھوپ کریں گے، اس لئے گھر کے دوسرے افراد کو بھی انہیں اطلاع نہ دینے کو کہا، حضرت ابوطلحہؓ نے گھر آنے کے بعد بچے کی صحت کے بارے میں پوچھا تو حضرت امّ سلیمؓ نے پورے صبر وتحمل کے ساتھ بغیر کسی واویلے کے کہا کہ پہلے سے زیادہ آرام میں ہے، حضرت ابوطلحہؓ نے کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر آرام کیا اور اُسی رات حضرت امّ سلیمؓ سے صحبت بھی کی۔

جب صبح ہوئی تو حضرت امّ سلیمؓ نے اپنے شوہر ابوطلحہؓ سے سوال کیا کہ اگر کسی کی امانت رکھی ہو اور وہ اپنی امانت واپس دینے کا مطالبہ کرے تو کیا اُسے امانت واپس لوٹا دینی چاہئے؟ حضرت ابوطلحہؓ نے کہا: ہاں! یہ اس کا حق ہے، اگر وہ واپس لینا چاہے تو بخوشی امانت اُسے واپس لوٹا دینا چاہئے، اس پر حضرت امّ سلیمؓ نے کہا کہ ہمارا بیٹا اللہ کی امانت تھی جو اس

نے رات کو ہی واپس لے لیا، یہ سن کر حضرت ابوطلحہؓ نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا کہ رات ہی کو مجھے کیوں نہیں بتلا دیا؟ پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے رات کے معاملے سے خوش ہوا، پھر دونوں میاں بیوی کے لئے برکت کی دعا کی، اور اللہ تعالیٰ نے اُسی رات سے حضرت امّ سلیمؓ کو حاملہ کر دیا، پھر ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ سلیمؓ کی اپنے شوہر کو اللہ کی صفت الہادی کی نقل میں ہدایت کی دعوت دینے اور بیٹے کی وفات پر اللہ کی صفت صبور کی نقل کرنے پر تعریف فرمائی۔

اسی طرح حضرت امّ سلیمؓ کے اس واقعہ سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنی اولاد کو دیندار بنانے کے لئے اہل اللہ یعنی سچے لوگوں کے ساتھ رکھنا ہوگا، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ o** (التوبہ:۱۱۹) ''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کی صحبت میں رہو۔'' تب ہی ہم اپنی اولاد کی دنیا اور آخرت کو کامیاب بنا سکتے ہیں اور لڑکیوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ حسن، دولت، تعلیم اور حسب نسب کے مقابلے لڑکے میں ایمان، دینداری کو دیکھیں اور بے دین اور بدعات و خرافات میں پڑے ہوئے لوگوں کو پسند نہ کریں، عام مسلمان مصیبت، موت، تکالیف اور پریشانیوں میں اللہ پر بھروسہ کر کے اللہ تعالیٰ کی صفت صبور اور حلیم کو اختیار کرتے ہوئے انتہائی صبر اور برداشت کرنے والے بنیں، ان حالات میں شکوہ شکایات اور مصیبتوں کا واویلا اور ڈھنڈورا نہ پیٹیں۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو گھوڑے نے پٹخ دیا جس سے وہ انتقال کر گئے، پھر ایک مرتبہ حضرت عروہؓ کے پیر میں زہریلا پھوڑا ہوگیا، حکیموں نے پیر کاٹ دینے کو کہا تاکہ زہر جسم میں نہ پھیلے، حضرت عروہؓ نے پیر کٹوانے کا فیصلہ کیا، پیر کٹواتے وقت لوگ انہیں سنبھالنے کے لئے آئے، آپؓ نے کہا کوئی ضرورت نہیں، صبر کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے

ہوئے پاؤں کٹوا دیا، جب خون بند نہیں ہوا تو زخم کو داغا گیا، تکلیف سے بیہوش ہو گئے۔

ہوش آیا تو کٹے ہوئے پیر کو دیکھا اور اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا! اُسے خوب معلوم ہے کہ میں تیرے ساتھ کسی حرام راستے پر گامزن نہیں ہوا، بیٹے کے انتقال اور پاؤں کے کٹنے پر آپؒ صبر کرتے اور شکر بھی کرتے، اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی لیا، تین سلامت اور باقی رکھے، چار بیٹوں میں سے ایک ہی لیا تین باقی رکھے، اگر تو نے کچھ لیا ہے تو، تو نے بہت کچھ باقی رکھا ہے، اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دن عافیت و آرام بھی عطا کیا ہے، اس طرح وہ اپنے عمل سے صبر اور شکر کا اظہار کرتے رہتے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کی ایمان والوں کی نقل

☆ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب امیر المؤمنین تھے، اس وقت آپ کی زرہ چوری ہوگئی اور ایک یہودی کے پاس موجود تھی، آپ نے قاضی کے پاس اپنی زرہ کی ملکیت کا دعویٰ کیا، قاضی نے حضرت علیؓ اور یہودی دونوں کو بلایا اور حضرت علیؓ سے گواہ پیش کرنے کو کہا، حضرت علیؓ نے بیٹے کو گواہی میں پیش کیا، اس پر قاضی نے شریعت کے مطابق بیٹے کی گواہی کو قبول نہ کر کے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا، حضرت علیؓ اس فیصلہ پر راضی ہو گئے۔

یہودی کو بڑا تعجب ہوا کہ حضرت علیؓ اقتدار اور حکومت و طاقت رکھتے ہوئے قاضی کے فیصلہ پر راضی ہیں، اپنے اقتدار کی طاقت کے زور پر لینا نہیں چاہتے، چنانچہ قاضی کا اس طرح مرعوب نہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کی نقل کرنے سے اس نے اسلام قبول کر لیا۔

☆ بیت المقدس کی فتح کے بعد عیسائی پادریوں نے بیت المقدس کی کنجی امیر المؤمنینؓ ہی کو دینے کی شرط رکھی، اس پر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ ایک غلام کو لے کر روانہ ہوئے، راستہ بھر ۱۶ ر میل آپ اونٹ پر سوار رہتے اور غلام نکیل پکڑ کر پیدل چلتا اور ۱۶ ر میل غلام سوار رہتا اور آپ نکیل پکڑ کر پیدل چلتے، اور ۱۶ ر میل اونٹ پر دونوں بھی سوار نہ ہو کر اُسے آرام سے چلاتے تھے، یہ اللہ کی صفت عدل کی نقل تھی۔

پھر بیت المقدس کے مقام ایلہ میں داخل ہوئے تو باری کے لحاظ سے سواری کی نکیل امیر المؤمنین کے ہاتھ میں اور غلام اونٹ پر سوار تھا، سفر کی وجہ سے آپ کے کپڑے دھول میں خراب ہو چکے تھے، پھٹ بھی گئے تھے، جب آپ سے عیسائیوں پر رعب ودبدبہ کے لئے عمدہ اور پُر تکلف لباس پہننے کی درخواست کی گئی تو آپ نے کہا: ہم کو جو عزت ملی ہے وہ اسلام سے ہے، ہمارے لئے یہی بس ہے، یہ جواب حضرت عمرؓ نے اللہ کی صفات البرّ ،المنان (احسان کرنے والا) اور الوہاب (عطا کرنے والا) کے احساس سے دیا۔

آپ کے پھٹے لباس کو پادری نے درست کیا، پھر ان لوگوں نے آپ کو اپنے گرجا گھر میں نماز ادا کرنے کی پیشکش کی، تو آپ نے اللہ کی صفت عدل کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اگر میں یہاں نماز ادا کرلوں تو یہ جگہ مقدس بن جائے گی، اور یہی طریقہ بعد کے مسلمان بھی اختیار کرلیں گے اور عیسائیوں کو تکلیف ہوگی، اس لئے آپ نے گرجا گھر میں نماز ادا نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کی ایمان والوں کی نقل

☆ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کرکے آگئے اور کسی کا سہارا لئے بغیر تجارت شروع کردی، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات الوہاب (خوب عطا کرنے والا) البرّ (محسن) اور المنان (احسان کرنے والا) سے آپ کو غنی (مالدار) بنادیا۔

مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی بہت قلت تھی، اور میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا، جس کا نام بئر رومہ تھا اور وہ یہودی کی ملکیت میں تھا، وہ پانی فروخت کرتا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس سے بات کرکے کنواں فروخت کرنے کو کہا، وہ صرف نصف کنواں فروخت کرنے پر تیار ہوا، اور یہ شرط رکھی کہ ایک دن تمہاری باری اور دوسرے دن میری، اس نے بارہ ہزار درہم میں آدھا کنواں آپؓ کو فروخت کردیا، اور آپ نے اس شرط پر آدھا کنواں خرید لیا۔

غور کیجئے کہ ایمان والے کسی کا مال ظلم وزیادتی سے نہیں لیتے، ہر حال میں اسلامی شریعت پر عمل کرکے اللہ کی صفت الحسیب (حساب لینے والا) پر ایمان رکھ کر اللہ کے پاس حساب دینے کا احساس رکھتے ہیں، بہرحال حضرت عثمانؓ نے کنواں خرید کر اللہ کی صفات

ربوبیت اور رحیم کی نقل میں سارے انسانوں کے لئے مفت پانی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیا، اس کی وجہ سے سارے لوگ ایک ہی دن میں دو روز کا پانی جمع کرنے لگے اور یہودی کی تجارت ختم ہوگئی، اس پر اس نے باقی آدھا کنواں بھی آٹھ ہزار درہم لیکر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، اب یہ مکمل کنواں آپ نے اللہ کی صفت ربوبیت کی نقل میں اللہ کی راہ میں مسلمانوں کو مفت پانی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیا۔

اسی طرح غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی حضرت عثمان غنیؓ نے اپنا مالِ تجارت شام کی طرف روانہ کرنے والے تھے، رسول اللہ ﷺ کی اپیل پر اللہ تعالیٰ کی صفت نصیر (مدد کرنے والا) کی نقل میں حضرت عثمانؓ نے تمام سامانِ لشکر کی تیاری کے لئے چندہ دے دیا، ۲۰۰/اوقیہ چاندی اور دوسو اونٹ پیش کیا، جبکہ لوگوں کے لئے سواریوں کی بہت کمی تھی۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں مدینہ میں سخت قحط پڑا، اُسی دوران شام سے ایک ہزار اونٹوں پر غلہ اناج لیکر حضرت عثمانؓ کا تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا، مدینہ کے غلّہ اناج کے سارے تاجرین حضرت عثمانؓ کے پاس گھر پر جمع ہوئے اور کہا ہم آپ کا مال خریدنے آئے ہیں اور دس کی بجائے بارہ درہم یعنی بیس فیصد زیادہ دے کر لینا چاہتے ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا: نہیں! مجھے اس سے بہت زیادہ منافع حاصل کرنا ہے، تو تاجرین بڑھاتے بڑھاتے پچاس فیصد منافع دینے کے لئے تیار ہوگئے، اس پر بھی حضرت عثمانؓ راضی نہ ہوئے اور کہا کہ مجھے ایک پر دس چاہئے، تاجر تعجب سے کہنے لگے کون ہے جو آپ کو ایک درہم پر دس دے رہا ہے؟ فرمایا کہ مجھے میرے رب نے ایک نیکی پر دس نیکیاں دینے کا وعدہ کیا ہے، میں یہ سارا قافلہ اللہ کے ہاتھ فروخت کر رہا ہوں، بہر حال آپؓ نے پورا مال اللہ کی صفت ربوبیت کی نقل میں مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

غور کیجئے کہ اتنی سخاوت کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ کو کبھی تنگدستی اور غربت میں مبتلا نہیں کیا، آپ مال سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ مال دینے والے ربؔ رزاق اور وہاب (عطا کرنے والا) یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کے وقت ان کے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ رقم نہیں تھی، آپ زرہ فروخت کر کے مہر ادا کرنے کی نیت سے بازار جا رہے تھے، راستے میں حضرت عثمانؓ سے ملاقات ہوئی اور اس بات کا ذکر کیا تو اللہ کی صفت الوہاب (بہت عطاو بخشش کرنے والا) کی نقل میں حضرت عثمانؓ نے ۴۰۰ درہم میں وہ زرہ خرید لی اور رقم ادا کر دی، پھر اللہ کی صفت المنان (احسان کرنے والا) اور الودود (محبت کرنے والا) کی نقل میں وہ زرہ بھی حضرت علیؓ کو تحفہ میں دے دی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کی نقل

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہر سال حج کو تشریف لیجاتے تھے، ایک مرتبہ حج کے سفر میں ایک چھوٹی بچی کو کوڑے کے ڈھیر سے ایک مردار مرغی کو اُٹھا کر تیزی سے بھاگتی ہوئی دیکھا، حضرت ابن مبارکؒ نے رُک کر اس بچی کو بلایا اور دریافت کیا کہ کوڑے کے ڈھیر سے مردار مرغی اُٹھا کر کیوں بھاگی؟ اس بچی نے کہا کہ ہمارے گھر میں ایک مدت سے فاقہ ہے، کھانے کو کچھ میسر نہیں ہے، اس لئے یہ مردار مرغی لیکر جا رہی ہوں، اس کو دھو کر صاف کر کے پکا کر کھائیں گے، حضرت ابن مبارکؒ نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ واقعی اس کے گھر میں فاقہ ہے، اور پوری بستی معاشی بدحالی کا شکار ہے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر ابن مبارکؒ نے سارے قافلے والوں کو روک دیا اور کہا کہ ہم اس سال حج کو نہیں جائیں گے، پھر جو رقم حج کے سفر پر خرچ کرنی تھی وہ اس بستی کی معاشی تنگی کو دور کرنے میں خرچ کر دی، اس بستی والوں کی مدد کرنے کے لئے اللہ کی صفت ربوبیت کی نقل کی اور حج کے سفر کو ملتوی کر دیا، کیونکہ یہ ان لوگوں کا نفل حج تھا۔

حضرت عمرو ابن العاصؓ کی سلامتی میں اللہ کی کونسی صفات سمجھ میں آتی ہیں؟

حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہٗ فاتح مصر کو قتل کرنے کے لئے ایک خارجی تلوار لے کر ان کے دروازے پر اُجالا ہونے سے پہلے ہی آ کر کھڑا ہو گیا تا کہ نمازِ فجر کو نکلتے ہی قتل کر دے، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی لکھی تقدیر میں ان کو سلامت رکھنا تھا، ان پر صفت

السلام کا نور پڑ رہا تھا، اس رات ان کو اِجابتیں آنا شروع ہو گئے، اور وہ نماز فجر کے لئے گھر سے باہر نہ نکل سکے، ان کا محافظ فجر کے لئے گھر سے باہر نکلا تو خارجی نے یہ خیال کیا کہ یہی عمرو ابن العاصؓ ہیں اور اُسے قتل کر دیا، خارجی کی گرفتاری کے بعد پتہ چلا کہ اس نے عمرو ابن العاصؓ کو نہیں بلکہ ان کے محافظ کو قتل کیا ہے، کہنے لگا: میں نے عمرو کو قتل کرنا چاہا تھا، مگر اللہ کو منظور نہیں تھا۔

جس پر سے اللہ کی صفت السلام (سلامتی دینے والا) کا سایہ اُٹھ جائے تو وہ خود بخود قتل گاہ پر آ جاتا ہے، اور جس پر اللہ کی صفات الحافظ والحفیظ (حفاظت کرنے والا) اور صفت القیوم (اپنے سہارے سنبھالنے والا) کا سایہ رہے اس کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ دنیا میں زندہ و باقی رہتا ہے، جس پر سے صفت قیوم کا اثر ختم ہو جاتا ہے وہ دنیا سے چلا جاتا ہے۔

صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا درس

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، راستے میں ایک عورت کھانا تیار کر رہی تھی، اور لکڑیاں ڈال ڈال کر آگ بھڑکا رہی تھی، جب آگ تیز ہوتی تو وہ اپنے بچوں کو چولہے سے دور ہٹا دیتی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نہیں ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں! وہی سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، پھر اس عورت نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنے بچوں پر ہوتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جذبے سے فرمایا: بے شک اللہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنی ایک ماں اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی، یہ سن کر عورت نے کہا: مگر یا رسول اللہ ﷺ! ماں تو کبھی بھی اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی؟ یہ بات سنتے ہی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکا لیا، اور کچھ دیر بعد یقین کی ڈوبی ہوئی آواز میں فرمایا: اللہ ہرگز کسی کو عذاب میں نہیں ڈالے گا مگر جو سرکش اور متکبر بن کر اس کی توحید کا انکار ہی کر دے۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ کا عورتوں کے بارے میں سوالات پر اللہ کی کون کون سی صفات سمجھ سکتے ہیں؟

حضرت اسماء بنت یزیدؓ نے عورتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے دربارِ رسالتؐ میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے آپ کو عورت اور مرد دونوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور ہم عورتیں بھی آپ پر ایمان لا کر آپؐ کی اتباع کرتی ہیں، لیکن ہم عورتوں کے مقابلے مردوں کو عیدین، جمعہ، جماعت، جنازہ اور جہاد میں شرکت، بیماروں کی عیادت، حج پر حج کرنے اور جب وہ حج وعمرہ کے لئے جائے تو ہم ان کے گھروں میں بند رہتی ہیں، ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، ان کے کپڑوں کا انتظام کرتی ہیں، ان کی اولاد کو پالتی ہیں، ان سب باتوں میں مرد ثواب کے بہت سے کاموں میں ہم سے آگے بڑھے ہوئے رہتے ہیں، کیا ہم ثواب میں ان سے کم رہیں گے؟

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سنی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم کو خیال بھی نہیں تھا کہ عورت ایسا بھی سوال کرسکتی ہے، پھر رسول ﷺ نے فرمایا: سنو اور سمجھو! جن عورتوں نے تمہیں بھیجا ہے ان سے کہہ دو: عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا نیک سلوک کرنا، اس کو راضی رکھنے کے طریقے ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا اور شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا' اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ وہ ایسی عورتوں کو وہی اجر وثواب دیتا ہے جس کا ذکر مردوں کے اعمالِ صالحہ میں کیا ہے، حضرت اسماءؓ یہ سن کر **لا الٰہ الّا اللّٰہ اللّٰہ اکبر** کہتی ہوئی خوشی سے جھوم کر واپس چلی گئیں۔

اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کو جو خوشخبری وبشارت سنائی ہے اس میں غور کرنے سے ہمیں مردوں کے مقابلے عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی صفت الرؤوف (مہربان، شفقت' نرمی کرنے والا) کا لطف وکرم نظر آرہا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو گھر بیٹھے نیکیاں اور ثواب کمانے کے مواقع رکھا ہے۔ جب ایک عورت خالص ایمان والی بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی

صفت ہادی (ہدایت دینے والا) کا نور اُسے ملتا رہتا ہے، وہ ماں باپ کے پاس گھر بیٹھے دین کا علم حاصل کرتی ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی صفت علم سے کچھ حصہ ملتا ہے، جبکہ مردوں کو مسجد جا کر، اجتماعات میں شریک ہوکر، جمعہ کے وعظ و نصیحت سننے اور علماء کی محفلوں میں شریک ہونے کے بعد دین کا علم ملتا ہے اور عمل کرنے کے بعد نیکیاں اور اجر وثواب ملتا ہے۔

عورت نکاح کے بعد شریعت کی خاطر بہت بڑا مجاہدہ کر کے دل پر پتھر رکھ کر بچپن سے پلنے والی جگہ ماں باپ' بھائی بہنوں اور خاندان کو چھوڑ کر اللہ کے واسطے نکاح کے ذریعہ اجنبی مرد کے گھر اجنبی خاندان میں اپنے نفس کے خلاف صفت صبور کی نقل میں ہجرت کر جاتی ہے، جبکہ مرد حضرات کبھی بھی اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر ہجرت کر کے بیوی کے گھر جا کر نہیں بستے، اور نہ وہ اپنے خاندان کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوتے ہیں، گویا عورتیں صبر اور ہجرت کا ثواب کماتی ہیں۔ وہ شوہر کے گھر آنے کے بعد اللہ کی رضاء حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گذار بن کر شوہر اور اس کے گھر والوں کو خوش رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت حلیم (برداشت، نرمی اور بردباری کرنے والا) اور عفو وغفور کی نقل میں زندگی گذارتی ہیں۔

اس کا شوہر اس کو محنت مزدوری سے دور رکھ کر گھر کی رانی بنا کر خود محنت کر کے اللہ کی صفت کفیل (کفالت کرنے والا) کی نقل میں اس کا ساتھ دیتا ہے، اور وکیل (ضرورتوں کا ذمہ لینے والا) بن کر اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کی نقل میں مرتے دم تک اس کی ضرورتوں کا انتظام کرتا ہے اور ساتھ دیتا ہے، گویا مرد کے ذریعہ عورت کی خدمت کروائی جارہی ہے۔

نکاح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں اپنی صفت الودود (محبت کرنے والا) کا نور دونوں پر ڈالتا ہے جس کی وجہ سے ان میں محبت، ایثار وقربانیوں کا جذبہ پیدا کرتا ہے، نکاح کے بعد حمل ٹھہرنے اور نو مہینے تک بچے کو اپنے پیٹ میں سنبھالے رکھنے کی تکلیف عورت اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق (پیدا کرنے، بنانے والا) کی نقل میں صبر کے ساتھ بچے کی حفاظت اور پرورش اپنی پیٹ میں اللہ کی صفت صبور کی نقل میں کرتی ہے، یہ ذمہ داری کسی

مرد کو نہیں اور نہ وہ حمل کے ایام سے گذرتا ہے، عورت نو مہینے کی تکلیف، بچے کا وزن سب کچھ صفت صبر کی نقل میں برداشت کرتی ہے اور شوہر پر صفت المنان کی نقل کرتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اپنی صفت رزاق کی نقل کروا کر عورت کو اپنا خون پلا کر بچے کو پیٹ میں پرورش کرنے کا موقع عطا فرماتا ہے، یہ عمل مردوں سے نہیں کرواتا، اور بچے کی پیدائش کے وقت جو دردِ زہ ہوتا ہے اور جو تکلیف بچے کی پیدائش کے وقت عورت برداشت کرتی ہے، اس کی دیکھ بھال، کھلانے پلانے، بیماری و تکلیف میں خدمت کرتی ہے اور اس کا بول و براز بلا کراہت صاف کرتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور حالتِ وضع حمل میں موت ہو جانے پر تو اپنی صفت عدل اور المقسط سے شہادت کا درجہ عطا کرتا ہے، مرد دین کی حفاظت کے لئے جہاد میں شریک ہو کر شہادت حاصل کرتے ہیں، عورت حج کر کے جہاد کا ثواب حاصل کرتی ہے، اللہ نے عورت پر ایامِ خاص میں نمازیں معاف کر دیں؛ جبکہ مردوں کو یہ چھوٹ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بچہ کو دودھ کے گھونٹ کے بدلے جانداروں کو زندگی عطا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (کنز العمال)

پھر بچہ پیدا ہو جانے کے بعد ماں میں اللہ تعالیٰ باپ سے زیادہ بچے کے لئے اپنی صفات ربوبیت، رحم، الودود، الرؤف، ولی، حفیظ، حلیم اور صفت عفو و درگذر کی نقل کرنے کا موقع عطا فرماتا ہے، اور بچے کو بالغ ہونے کی عمر کو پہنچنے تک ماں سے قریب رکھتا ہے اور اس کی ساری خدمت ماں سے کرواتا ہے اور ماں کو اپنی صفت ربوبیت کی نقل کرنے کا موقع گھر بیٹھے عطا کرتا ہے، جبکہ باپ بچے کی ضرورتیں، بول و براز اور راتوں میں سنبھالنے کے لئے نیند قربان نہیں کر سکتا، بچہ کو ماں کے ذریعہ جوان ہونے تک دین کی سمجھ عطا کروا کر اپنی صفت ہادی و علیم کی نقل کا موقع عطا فرماتا ہے، شوہر کے گھر میں ساس، نندوں کی زیادتیوں پر صفت صبور، صفت حلیم اور صفت عفو اور غفور کی نقل کرنے کا موقع عطا کرتا ہے، مرد یہ سب حالات سے سسرال میں نہیں گذرتا ہے۔

عورت کو مسجد جانے اور جماعت کی نماز سے چھوٹ دے کر گھر پر اپنے وقت کی نماز

ادا کرنے پر اپنی صفت الرؤوف (مہربانی، نرمی وشفقت کرنے والا) کا اظہار کرتا ہے، اور عورت کا دین پر چلنا، شرک، زنا، حرام چیزوں سے بچے رہنے پر اللہ تعالیٰ اپنی صفت الولی (دوست، حمایتی، طرفداری کرنے والا) بن کر مرد کے مقابلے عورت کے لئے ماں کے قدموں میں جنت کی بشارت دی، یہ چیز مردوں کو حاصل نہیں، اور مرد کے مقابلے اپنی صفت عدل سے ماں کا حق اولاد پر تین حصے زیادہ ہونے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کروایا، بیوی کو شوہر کی خدمت، بیماری اور مشکل حالات میں وفاداری کے ساتھ سکون دے کر خدمت کا جذبہ پیدا کر کے اپنی صفت الوہاب (عطا و بخشش دینے والا) کی نقل کا موقع دیتا ہے، اور عورت گھر بیٹھے ان تمام صفات کا نور حاصل کر سکتی ہے اور خوب نیکیاں کما سکتی ہے، جبکہ مردوں کو بہت سارے مجاہدے اور اعمالِ صالحہ اور قربانیاں دینے کے بعد ان صفات کی نقل کرنے کے مواقع آتے ہیں پھر وہ نیکیاں کما سکتے ہیں۔

سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ عورت کو گھر سے باہر محنت کرنے، روزی حاصل کرنے اور باہر کی مشکلات اور مشقت جھیلنے سے محفوظ رکھا، اس لئے عورتیں اللہ کے ان احسانات پر اپنے مالک المنّان اور البرُّ (احسان کرنے والا) کا بار بار شکر ادا کرتی رہیں۔

اذان کا ساری دنیا میں دن میں پانچ مرتبہ ہونا، اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں؟

دن میں پانچ مرتبہ پوری دنیا میں اذان دینے میں اللہ تعالیٰ کی بے انتہا حکمتیں ہیں، وہ حکیم ہے اس نے اذان کا طریقہ رکھ کر اپنی حکمت اور دانائی سے اذان کے عمل کو قیامت تک جاری کر دیا، اللہ تعالیٰ ہادی (ہدایت دینے والا) ہے، وہ اپنے بندوں پر حجت تمام کرنے کے لئے اذان کا طریقہ بھی رکھا ہے، چنانچہ لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ سے ایک اور اکیلا بڑا اعبادت و بندگی کے لائق ہونے کا اعلان کروا کر توحید کی تعلیم دی جا رہی ہے، اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پیغمبر ہونے کو اور انہی کے ذریعہ اللہ کو پہچاننے کی دعوت دی جا رہی ہے، پھر کامیابی کا راستہ نماز کی طرف دوڑنے کی دعوت دی جا رہی ہے، یعنی نماز کے ذریعہ خالص

اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ حکیم (دانا اور حکمت والا) ہے، اس نے امت مسلمہ میں اذان کے طریقے سے دعوتِ اسلام پوری دنیا کے مسلم اور غیر مسلم تک پہنچا رہا ہے اور کل قیامت کے دن کوئی انسان بھی اللہ کے ایک اور اکیلے ہونے اور اسی کی عبادت کی تعلیم نہ ملنے کا انکار نہیں کر سکتا، اس اذان کی دعوت سے مسلمان اگر شرک کریں گے اور نماز نہیں پڑھیں گے تو وہ مجرم ثابت ہوں گے، اور ان پر حجت تمام ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اذان کو صحابہؓ کے خواب میں الہام کے ذریعہ اپنی صفت ہادی کے ذریعہ رہبری فرمائی۔

حضرت عکرمہؓ کے قبول اسلام میں اللہ کی کونسی صفت سمجھ سکتے ہیں؟

جیسے ہی فتح مکہ ہوا عکرمہؓ بن ابو جہل قتل ہو جانے کے خوف سے مکہ چھوڑ کر یمن فرار ہو گئے، اور اللہ کی صفت حفیظ (حفاظت کرنے والا) کی وجہ سے مکہ میں قتل ہونے سے محفوظ رہے، اس لئے کہ تقدیر کے لکھے میں ان کے لئے ایمان قبول کرنا تھا، جس کی وجہ سے ابو جہل کی اولاد بھی امت مسلمہ میں چلی، ان کی بیوی ام حکیم بنت الحارث فتح مکہ ہوتے ہی ان پر اللہ کی صفت الہادی (ہدایت دینے والا) کا سایہ اور نور پڑا اور انہوں نے ایمان قبول کر لیا، ایمان قبول کرتے ہی اپنے شوہر عکرمہ بن ابو جہل کی ہدایت کے لئے بے چین ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی حفاظت و امان مانگی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی صفات الحفیظ اور عفو کی نقل کرتے ہوئے انہیں امن دے دیا، پھر انہوں نے اپنے رومی غلام کو لے کر عکرمہ کی تلاش میں یمن کی طرف سفر شروع کیا، راستے میں اس غلام نے ان کی عصمت لوٹنے کے لئے انہیں پھسلاتا رہا، پھر اللہ نے راستے میں بھی ان کی عصمت کی حفاظت اپنی صفت الحفیظ (حفاظت کرنے والا) کے ذریعہ کرتا رہا، اور قبیلہ عک میں پہنچنے کے بعد وہاں کے لوگوں کی مدد سے اس کو ایک درخت سے باندھ کر رسیوں سے جکڑ دیا اور اکیلی اپنے شوہر کے پاس گئیں۔

جب مقام تہامہ کے سمندر کے ساحل پر پہنچ گئیں تو دیکھا کہ وہ کشتی میں سوار ہو کر بہت دور چلے گئے، سمندر میں طوفان اٹھنے لگا، کشتی بان نے کشتی میں سوار سب لوگوں سے

کہا کہ اب اللہ کو پکارو، یہاں کوئی الٰہ مدد نہیں کرسکتا، وہی اکیلا مدد کرسکتا ہے، جب حضرت عکرمہؓ نے کشتی بان کی یہ بات سنی تو فوراً ان کے دماغ میں زلزلہ آیا کہ جب اللہ سمندر کے اس طوفان میں اکیلا مدد کرسکتا ہے تو خشکی پر بھی وہی مدد کرنے والا ہے، ہم بیوقوف بن کر محمد بن عبداللہ کی مخالفت کرر ہے ہیں۔

بس انہی خیالات اور فکر کے ساتھ ہی ان پر اللہ کی صفت الہادی کا نزول ہوا اور اللہ نے ان کو ہدایت کی طرف رغبت دے دی تو انہوں نے سمندر ہی میں یہ ارادہ کرلیا کہ اگر وہ صحیح سلامت بچ کر خشکی پر واپس چلے گئے تو وہ ایمان قبول کرلیں گے، دور سے وہ اپنی بیوی کو کپڑا ہلا کر ان کو واپس بلانے کا اشارہ کرتے دیکھ رہے تھے، پھر ساحل پر آنے کے بعد بیوی نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ سے آپ کی امان لیکر آئی ہوں، انہوں نے آپ کے لئے اللہ کی صفت سلام (سلامتی اور امن دینے والا) کی نقل میں امن دینے کا وعدہ کیا ہے، اللہ نے ان کو جوڑنے والا بنایا توڑنے والا نہیں، وہ پوری دنیا میں سب سے اچھے انسان ہیں، عکرمہؓ بیوی کی یہ باتیں سن کر مکہ واپس ہوئے، پھر راستے میں غلام کی ساری حرکتیں سنیں اور اس کو وہیں پر قتل کردیا، گویا اللہ نے اس کی تقدیر میں موت وہاں لکھی تھی، وہ شیطان کے بہکاوے میں برائی کی طرف راغب ہوکر تقدیر کے فیصلے کے تحت قتل کردیا گیا۔

راستے میں عکرمہؓ نے اپنی بیوی ام حکیم سے صحبت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے اللہ کی ہدایت کے احکام پر پختہ ایمان کی وجہ سے صحبت کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں ایمان والی ہوں اور تم مشرک، یہ کام میں کر کے اللہ اور رسول کی نافرمانی نہیں کرسکتی، اور حضرت ام حکیمؓ مکہ پہنچنے تک اللہ کی فرمانبرداری میں نقاب پہنی رہیں۔ پھر حضرت عکرمہؓ جیسے جیسے مکہ کے قریب آرہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی صحابہؓ سے فرمایا: عکرمہ تمہارے پاس مومن اور مہاجر بن کر آرہے ہیں، آئندہ ان کے باپ کو بُرا بھلا نہ کہنا، کیونکہ مرے ہوئے کو بُرا کہنے سے اس کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف ہوتی ہے، اور وہ اس مردہ تک نہیں پہنچتا۔

غور کیجئے وہ ابوجہل جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ یہ میری امت کا فرعون تھا، اور عکرمہ نے اپنے باپ کا ساتھ دیتے ہوئے اسلام کو مٹانا چاہا، اور سخت دشمنی کی، ان کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی صفات رحمت، عفو اور مؤمن (امن دینے والا) الحفیظ، الرؤوف (مہربان، نرمی اور شفقت کرنے والا)، السلام (سلامتی وامن دینے والا) اور الودود (محبت کرنے والا) کی نقل کرکے اپنے دشمن کی اولاد کے لئے کیسے جملے استعمال کررہے ہیں اور تاکید کررہے ہیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عکرمہؓ کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کے لئے جلدی سے لپکے جس کی وجہ سے آپ کے کندھے سے چادر گرگئی، کھڑے ہوکر آپؐ نے ان کا استقبال کیا اور بہت خوشی کا اظہار کیا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور وہ کھڑے رہے، اور شرمسار انداز میں سر جھکائے، پوچھا کہ میری بیوی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ نے مجھے امان دیا ہے، کیا یہ سچ ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں سچ ہے! تب انہوں نے کلمہ پڑھا اور ایمان قبول کرکے اللہ کی صفت ہدایت کے لوٹنے والے بنے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہؓ سے فرمایا: عکرمہ! تم مجھ سے آج جو مانگنا چاہتے ہو مانگو، اس پر انہوں نے (اللہ کو توّاب اور غفور مان کر) کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے مغفرت کی سفارش کریں کہ جتنی دشمنی میں نے آپ کے ساتھ کی ہے، جتنی جنگیں میں نے اسلام کے خلاف لڑی ہیں اور جتنی باتیں آپ کے پس پشت اور سامنے مخالفت میں کہی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف فرمادے، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حضرت عکرمہؓ کے سارے گناہوں کی معافی کی سفارش کرتے ہوئے دعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت تواب (توبہ قبول کرکے معاف کرنے والا) سے دعا قبول کی اور حضرت عکرمہؓ کو اپنی صفت ہدایت سے صحابہؓ کی جماعت میں شامل ہوجانے کا موقع عطا فرمایا، پھر بعد میں اپنی صفت وہاب (بخشنے والا) سے شہادت بھی عطا فرمائی اور شہادت کے ذریعہ اپنی صفت المنان (احسان کرنے والا) کا اظہار فرمایا۔

نقل سے مراد کیا ہے؟

بہت سے لوگ نقل سے مراد بعینہٖ مکمل کاپی، عکس وسایہ سمجھتے ہیں، وہ بھی پھیکی اور ہلکی ہی ہوتی ہے، اللہ جیسا یا اللہ کا عکس اور کاپی کوئی نہیں ہوسکتا، مگر نقل کئی طریقوں سے ہوتی ہے، ایک استاد بورڈ پر چھوٹے بچے کو کچھ اردو کے یا انگریزی کے حروف لکھ کر یا پرندے، درخت یا گھر کی تصویر اتار کر کہتا ہے کہ اپنی تختی پر اس کو نقل کرو، بچہ اس کو دیکھ کر اپنے ہاتھ سے الفاظ لکھنے کی کوشش کرتا ہے یا الٹی سیدھی تصویر بناتا ہے' جو استاد کے الفاظ یا تصویر کی طرح نہیں ہوتے، ایک سینئر ڈاکٹر جونیئر ڈاکٹرس کو اپنے سامنے کھڑا کر کے مریضوں کا آپریشن کرنا یا علاج کرنا سکھاتا ہے، وہ جونیئر ڈاکٹر اسی کی نقل سے سیکھ کر آپریشن یا علاج کرتے ہیں، مگر استاد کی طرح ماہر نہیں ہوتے، ایک سینئر وکیل اپنے جونیئر وکیل کو عدالت میں اپنے ساتھ رکھ کر بحث کرتا ہے، مقدمہ کے اہم نکات اور بحث کا طریقہ سکھاتا ہے، وہ جونیئر وکیل اس سے وہی سیکھتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اپنے تمام پیغمبروں کو اخلاق حسنہ اور اپنی صفات کی تعلیم دے کر بندوں پر محنت کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے اور **اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ** کے ذریعہ یہ تعلیم دے رہا ہے کہ بندے رسول کی نقل واتباع اور اطاعت کریں گے تو وہ اللہ کی نقل ہوگی۔

☆ قرآن مجید کے سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً** سب سے اچھا رنگ اللہ کا ہے، اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے؟

☆ **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ** (القلم:۴) بیشک آپ اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن**. (مسلم، ابوداؤد)
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی چلتا پھرتا قرآن تھی، اللہ تعالیٰ کی جتنی جمالی صفات اس میں بیان ہوئیں آپ ان کو زندگی کے ہر شعبہ میں نقل کرتے تھے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **حُسْنُ الْخُلُقِ خُلُقُ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ**. (طبرانی)
ترجمہ: بہترین اخلاق اللہ تعالیٰ کے عظیم اخلاق ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات ہی اللہ

تعالیٰ کے اخلاق ہیں۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعاء فرماتے تھے: اے اللہ! ہمارے اخلاق قرآن کے مطابق سدھار دے۔

☆ صوفیا کرام کا قول ہے: **تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ.** اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔

☆ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''سیرۃ النبی ﷺ'' جلد چہارم' صفحہ: 483 تا 523 میں لکھتے ہیں کہ کئی حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

ان حدیثوں کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ انسان کی طرح اللہ کی کوئی جسمانی شکل و صورت ہے، حضرت آدمؑ کی شکل اس کی نقل ہے، **لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ.** کہ اس کی مثل و مثال ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفۂ زمین بنایا اور تمام مخلوقات میں اشرف و اعلیٰ بنایا، اور اپنی صفات کو نازل کر کے اپنا تعارف کروایا، خلیفۂ زمین مالک کے اوصاف کی جتنی معرفت رکھے گا اتنا وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کامیاب ہو سکے گا، یہ صفات صرف تسبیح پر پڑھنے ہی کے لئے نہیں نازل ہوئے۔

وہ لکھتے ہیں کہ انسان کو اللہ نے اس کی بشری زندگی کی بلندی تک ترقی کرنے کے لئے صرف چند جمالی صفات ہی کی حد تک نقل کرنے کی آزادی دی ہے، جس سے اس کی زندگی میں ترقی، اعلیٰ تہذیب و تمدن، خوبصورتی اور حسن اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی چند صفات ہی کو دنیا میں نازل کیا جو انسان کو سدھار سکتی ہیں اور ان کی سیرت کو بنا سکتی ہیں جو ان کے لئے ضروری ہیں۔

☆ قرآن مجید کی سورۂ علق بھی: **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ٥** کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی گئی کہ ان کو میرے نام سے میری پہچان سے تعلیم دی جائے، تب ہی ان کی معاشرتی اور عملی اصلاح ہو سکتی ہے، میری پہچان ہی سے آخرت

کا یقین پیدا ہو کر ان کی سیرت درست ہوسکتی ہے۔

☆ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے یہ لکھا ہے کہ ان صفاتی ناموں کی خصوصیات اللہ تعالیٰ نے یہ رکھی ہے کہ ان کی پہچان ہونے کے بعد ان ناموں کی ہلکی دھندلی سی خصوصیات انسان میں پیدا ہوسکتی ہیں، اسماء وصفاتِ الٰہی کا عقیدہ محض نظری نہیں بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے اور انسان چند صفات کی ہلکی اور دھندلی سی نقل کر سکتا ہے۔

ان کے برعکس بعض صفات کی نقل کی اجازت نہیں، اللہ کی کبریائی، عظمت وجلال اور قدیم صفات کی نقل کی اجازت نہیں، جس کی مثال چند حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی، ان کے مقابل انسان کو عاجزی، تواضع، انکساری، توبہ واستغفار کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆ وہ لکھتے ہیں کہ انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے تو اپنے اندر اس کے چند اوصاف سے نسبت پیدا کرے، ان کی خوبیوں کو انتہائی اعلیٰ و معیاری جان کر ان کی نقل و پیروی کی خواہش رکھے، تمام پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کی نقل میں دعوت کا کام کیا۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان دوسری قوموں میں صفات کے ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے معاشرتی زندگی کے خلاف رہبانیت اور سنیاس کو ہی عبادت سمجھا اور انسانوں کے ساتھ رہتے ہوئے ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت نہ کر کے ان کی ضرورتوں اور حقوق ادا کرنے کی فکر نہیں کی، بعض نے تو دنیا کے معاملات میں پھنسنے سے بچنے کے لئے گوشہ نشینی کو اختیار کر لی۔

دنیا میں تمام جاندار مخلوقات میں جو رحم وکرم کے مناظر نظر آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور دین ہیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے رحم کے ۱۰۰ رحصوں میں سے ایک حصہ مخلوقات کو عطا فرمایا جس کی وجہ سے لوگ آپس میں رحم وشفقت کرتے ہیں، باقی ۹۹ رحصے اپنے پاس رکھا، یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچے کے لئے اس خوف سے پاؤں

اٹھالیتی ہے کہ اس کو صدمہ نہ پہنچے۔ کیا یہ صفت رحم کی نقل نہیں!

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخل اللہ کی صفت نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی تھیلی کے منہ نہ بند کرو! ورنہ تم پر بھی تھیلی کا منہ بند کر دیا جائے گا۔ (ترمذی)

کیا یہ اللہ کی صفت الوہاب (خوب عطا کرنے والا) کی نقل کی ترغیب نہیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ دوسرے بندے کے گناہ کی پردہ پوشی کرے گا قیامت میں اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (مسلم) کیا اس میں اللہ کی صفات عفو، الغفور اور الغفار کی نقل کی ترغیب نہیں۔

☆ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم اپنے بھائی کی مدد میں ہو اللہ تمہاری مدد میں ہے۔ (ابوداؤد) اس میں اللہ کی صفت نصیر (مدد کرنے والا) کی تعلیم ہے۔

☆ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں، اسی لئے اس نے فحش باتوں کو حرام کیا۔ (بخاری) اور ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ غیرت والا ہے اور مؤمن بھی غیرت والا ہے، اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ اس نے اپنے مؤمن بندے پر جس بات کو حرام کیا ہے، اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے تو وہ اس پر خفا ہو۔ (ترمذی)

غور کیجئے غیرت میں کیا ہم اللہ جیسی غیرت (شرم وحیاء) اختیار کر سکتے ہیں، ہمیں حرام سے بچ کر غیرت اختیار کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر وہ رحم کرنے والا بھی رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (ابوداؤد)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم کی جڑ رحمٰن سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رحم! جو تجھ کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا، اور جو تجھ کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا۔ (بخاری) یہاں آپسی رشتے ناطوں کو توڑنے سے منع کر کے صلح رحمی کو اختیار کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

☆ ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں رحمٰن ہوں! میں نے رحم پیدا کیا، اپنے نام رحمٰن سے رحم نام رکھا، پس جو اس کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا، جو اس کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔(ترمذی)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں غصہ میں رہوں یا خوشی میں، ہمیشہ انصاف کی بات کہوں محتاجی اور امیری دونوں حالتوں میں اعتدال پر قائم رہوں، جو مجھ سے کٹے، میں اُس سے جُڑوں، جو مجھے محروم کرے، میں اُسے دوں، جو مجھ پر ظلم کرے، میں اُس کو معاف کردوں۔

☆ ایک اور راویت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو، اور جو تمہارے ساتھ بُرا سلوک کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

ان احادیث میں صفت عدل، صفت رحم کی نقل کر کے تعلقات نہ توڑنے، ظلم کے مقابلہ میں عفوودرگذر کرنے اور نرمی اختیار کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

☆ یہ بھی فرمایا کہ جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا، بخاری شریف میں یہ روایت ان الفاظ میں ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: اے عائشہ! اللہ نرمی والا ہے، ہر بات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔(مسلم، ابوداؤد) نرمی کی نقل کی تعلیم دی جارہی ہے۔

☆ ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے، اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے، پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔(مسلم) ظالم نہ بننے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انسان! تو اپنے مجرموں کو معاف کر! کہ اللہ تیرے گناہوں کو معاف کرے۔(کنز العمال) یہاں صفت عفوودرگذر کی تعلیم ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مجرم کو سزا دی جارہی تھی، سزا کا منظر دیکھ کر حضور اکرم ﷺ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہورہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: امام تک معاملہ پہنچنے

سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا کرو، اللہ معاف کرتا ہے، اور عفو و درگذر کو پسند کرتا ہے، پس تم بھی معاف اور درگذر کیا کرو، کیا یہ تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (حاکم) اسی قسم کی ہدایت قرآن مجید میں واقعۂ افک کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے آئی۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، اخلاقِ عالیہ سے محبت اور بد اخلاقیوں سے نفرت رکھتا ہے۔ (طبرانی)

انسان کی خوبصورتی حسن اخلاق میں ہے، جو صورت میں خوبصورت میں ہو مگر سیرت میں بد اخلاق ہو تو وہ جمال والا اور اخلاق عالیہ والا نہیں ہوگا۔

☆ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، وہ سخی ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے، وہ صاف ستھرا ہے، صفائی اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔ (کنزل العمال)

یہاں سخاوت و پاکی کی تعلیم دی جارہی ہے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ (مسلم) یہاں مراد ظاہری و باطنی پاکی ہے، باطنی پاکی سے مراد شرک، کفر اور منافقت سے پاکی ہے، اور ظاہری پاکی سے مراد اعمالِ رذیلہ، حرام سے بچنا ہے۔

☆ ایک اور روایت میں ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، پس تم پاک صاف رہا کرو، یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو۔ (ترمذی)

یہودی ظاہری اور باطنی دونوں حالتوں میں گندگی میں مبتلا ہیں۔

☆ عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے قرآن کے ماننے والو! وتر کی نماز پڑھا کرو کہ اللہ یکتا (وتر) ہے، وہ یکتائی (وتر) کو پسند کرتا ہے۔ (ابوداؤد) ۱-۳۔ یہ طاق عدد ہیں، اس لئے وتر ایک یا تین پڑھی جاتی ہے۔

☆ ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے بُرا وہ ہے جو اپنا نام بادشاہوں کا بادشاہ یعنی شہنشاہ رکھتا ہے، اللہ کے سوا کوئی بادشاہ اور

مَلِک نہیں۔(بخاری) اس صفتی نام کو اختیار کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں غرور کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا، ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ غرور ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اچھا ہے، جمال والا ہے، اچھائی اور جمال کو پسند کرتا ہے، یہ غرور نہیں، غرور حق کو پامال کرنا اور انسانوں کو دبانا ہے۔

☆ صحیح مسلم اور ترمذی میں یہی روایت دوسرے انداز سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جمال والا ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو۔(کنزالعمال، بیہقی) کیا اللہ جیسا جمال کوئی پیدا کرسکتا ہے، صرف نعمت کے اظہار کے ذریعہ جمال کی ہلکی سی جھلک ظاہر کرسکتا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی عزت اس کا لباس اور کبریائی اس کی چادر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس جو کوئی عزت و کبریائی میں میرا حریف بنے گا میں اُسے سزا دوں گا۔(مسلم) یہاں غرور و تکبر اور انانیت سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ میری اطاعت میں میری قربت تلاش کرتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔(بخاری و مسلم) مطلب یہ کہ اللہ انسان میں حلول نہیں کرتا بلکہ سمجھانے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ جب بندہ اللہ سے نسبت اور تعلق پیدا کرلیتا ہے تو حق سنتا ہے، حق دیکھتا ہے، حق کو پکڑے رہتا ہے اور حق پر چلتا ہے۔

☆ اسی طرح صحیح مسلم کی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ قیامت کے دن اللہ بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار تھا' تو نے میری خبر نہیں لی، میں بھوکا تھا' تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، میں

پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ کہے گا کہ اے اللہ! آپ رب العالمین ہیں! ان سب چیزوں سے پاک ہیں، تب اللہ کہے گا کہ اگر تو فلاں بیمار بندے کی مزاج پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا، فلاں بھوکے بندے کو کھلاتا تو مجھے وہاں پاتا، اگر تو فلاں بندے کی پیاس بجھاتا تو وہاں مجھے پاتا۔ (معارف الحدیث:۱۱۰) غور کیجئے ! اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ انسان کو حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنے پر صفت ربوبیت کی نقل کرنے کی تعلیم دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والے کا نام مؤمن بھی رکھا ہے، حالانکہ مؤمن اللہ کا نام ہے، کیا ایمان والے اللہ جیسا امن دے سکتے ہیں۔

اللہ کا ایک نام ''الولی'' یعنی یار اور دوست ہے، کس کا؟ متقی و پرہیزگار لوگوں کا! جبکہ وہ کائنات کا شہنشاہ ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی صفات صرف انسانوں اور جنوں ہی کے لئے نہیں ساری مخلوقات کے لئے ہیں، اور تمام مخلوقات اس کی مختلف صفات کی نقل کرتی ہیں، اگر ایک پرندہ اپنے بچوں کے لئے دانہ اور غذاء چونچ میں لاتا ہے وہ بھی صفت رزّاقیت کی ہلکی سی نقل ہے، اگر ایک جانور اپنے بچوں کو چَرنا اور اُڑنا سکھاتا ہے تو وہ اللہ کی صفت ہادی کی نقل ہے، اگر ایک گھونسلا بناتا ہے تو وہ صفت تخلیق کی ہلکی سی نقل ہے۔

☆ صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ انسان کی صفت مردہ پن، جہل، اندھاپن، بہراپن محتاجی ہے، اللہ نے حیات، علم، قدرت، سماعت، بصارت اور ارادہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں انسان کی ضرورت پوری کرنے اپنی صفت علم وہدایت سے سائنس دانوں پر مختلف چیزیں بنانے کی توفیق القاء کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ کے پیدا کردہ مٹیریل سے اللہ کی صفت تخلیق کی نقل کرتے ہوئے چیزیں بناتے ہیں، مگر وہ خالق نہیں کہلا سکتے، صرف تخلیق کی نقل کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆